حضرت
یوسف

حضرت یوسف

قید سے محل تک

آر۔ بخت

hazrat yūsuf. qaid se mahal tak

Hazrat Yusuf. From Prison to the Palace

by R. Becht
(Urdu—Persian script)

© 2019 MIK
published and printed by
Good Word Communication Services Pvt. Ltd.
New Delhi, INDIA

Bible quotations are from UGV.

for enquiries or to request more copies:
askandanswer786@gmail.com

تعارُف

ہماری نظر سے شاذ و نادر ہی کوئی ایسی کتاب گزری ہے جس کا مصنف تاریخ کے خشک واقعات میں زندگی پھونکنے اور ہمارے سامنے جیتی جاگتی تصویر پیش کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔ تاہم یہ کتاب اِسی قسم کی ایک کامیاب اور قابلِ تعریف کاوِش ہے۔

حضرت یوسف کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات توریت کی پہلی کتاب پیدائش کے باب 25 تا 50 میں درج ہیں۔

لرزہ خیز آغاز

ایک بڑا قافلہ وسطی کنعان میں شہرِ سِکم کی جانب رواں دواں تھا۔ قبیلے کے پُروقار سردار حضرت یعقوب کی نگاہیں قافلے کے اَن گنت بھیڑ بکریوں، گدھوں اور اُونٹوں پر لگی تھیں تاکہ سفر میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ گدھوں اور بَیل گاڑیوں پر سوار بال بچے بھی برابر اُن کی نظر میں تھے۔ قافلے میں اُن کے غلام اور نوکر چاکر بھی شامل تھے جن کی تربیت پر اُنہیں ناز تھا۔ اور اب تو وہ اُن کے گھرانے کا ایک حصہ بن چکے تھے۔ اِس کے علاوہ اُن کے دس بڑے بیٹے بھی اُن کے شریکِ سفر تھے۔ باپ کی اُن پر کڑی نظر رہتی تھی کیونکہ وہ بالکل اپنی ماؤں پر گئے تھے۔

جوانی میں بھی اُن کی آپس میں نہیں بنتی تھی۔ سردار نے سرد آہ بھری۔ اُنہوں نے تو کبھی دو بیویوں اور دو حرموں کی خواہش بلکہ تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن حالات نے کچھ ایسا رُخ اِختیار کیا کہ اُنہیں مجبوراً یہ سب کچھ دیکھنا پڑا۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے۔ تھکاماندہ سورج دھیرے دھیرے پہاڑ کی چوٹیوں کی اوٹ میں چھپنے لگا۔ ساری فضا شفق رنگ ہوتی گئی۔ قافلہ اب بھی رواں دواں رہا۔ چہروں پر تمناؤں، اُمنگوں اور والہانہ مسرتوں کی چمک پھوٹنے لگی تھی۔ اُن کے قدم آبا و اجداد کی اُس سرزمین پر پڑ رہے تھے جس کے خواب وہ برسوں سے دیکھتے آئے تھے۔

"امی جان! یہ وہی راستہ ہے نا جہاں سے بڑے دادا ابو (حضرت ابراہیم) بھی آئے تھے؟" یہ آواز حضرت یعقوب کے چھوٹے بیٹے حضرت یوسف کی تھی۔ "اُن کے بھی بہت سے ریوڑ، غلام اور خیمے وغیرہ تھے نا؟ اُن کے لئے تو یہ اَجنبی ملک تھا لیکن بابا تو یہیں پیدا ہوئے۔ مَیں اور آپ پہلے یہاں کبھی نہیں آئے۔ ذرا سوچئے امی جان!

بڑے دادا ابو نے اپنا پہلا خیمہ سکم میں ہی گاڑا تھا۔ اِسی سر زمین پر جہاں سے آج ہم گزر رہے ہیں!"

حضرت یعقوب اُونٹ پر سوار اُس بَیل گاڑی کے پاس سے گزرے جس میں اُن کی پہلی بیوی لیاہ سوار تھی۔ اُس کے ساتھ اُن کی اکلوتی بیٹی دِینہ بھی بیٹھی تھی۔ دونوں اپنی لونڈی زِلفہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ زِلفہ حضرت یعقوب کی حرم تھی۔ جوں ہی دِینہ کی نظر باپ پر پڑی وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی، "ابا! پڑاؤ جلدی ہی ڈالیں گے نا؟"

باپ نے بڑی شفقت سے ہاں میں سر ہلایا۔ اپنی نوجوان بیٹی کو دیکھ کر اُنہیں اِحساس ہوا کہ وہ کتنی خوب صورت ہے۔ ساتھ ہی نسوانی آوازیں اُبھریں، "سکم میں شاپنگ کرنے کا کتنا مزہ آئے گا!"

حضرت یعقوب کی دایہ دبورہ کے لئے یہ سفر بڑا تکلیف دِہ تھا۔ کچھ عمر کا تقاضا، کچھ راستے کی طوالت اور ناہمواری۔ مسلسل جھٹکوں سے اُس کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ حضرت یعقوب نے اُس کے چہرے پر کرب کے آثار دیکھتے ہوئے بڑی محبت سے اُس کی ہمت بندھائی۔

دبورہ نے قافلے کے پیشوا کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو ایک زندہ دلانہ مسکراہٹ اُس کے لبوں پر پھیل گئی۔ وہ آج بھی اُسے وہی ننھا منا سا یعقوب لگا جسے وہ کبھی ڈانٹتی اور کبھی پیار سے سینے سے لگا لیا کرتی تھی۔ جسے اُس نے اپنی گود میں کھلایا تھا۔ یہ اُس کی تربیت ہی کا نتیجہ تو تھا کہ اُنگلی پکڑ کر پاؤں پاؤں چلنے والا وہی منا آج اِتنے بڑے قافلے کا سالار تھا۔ وہ بڑی تھکاوٹ سے کانپتی ہوئی اُنگلی اُٹھا کر تھرتھراتی آواز میں بولی، "میری جان! ہم آج پھر اپنے وطن کی زمین پر چل رہے ہیں۔ تمہیں کیسا لگتا ہے بیٹے؟"

"بہت اچھا! بہت ہی اچھا ماں! یہ وہی جگہ تو ہے جہاں اللہ چاہتا ہے کہ ہم رہیں۔ لیکن اصل چیز یہ زمین نہیں ہے جس کے ہم وارث ہوں گے بلکہ زندہ خدا کی وہ رفاقت جو ہمیں حاصل ہو گی۔"

حضرت یعقوب کی یہ باتیں سن کر بوڑھی آنکھیں چمکنے لگیں۔ کل کا وہ کومل سا بچہ آج کیسی حکمت کی باتیں کر رہا تھا۔ صرف دبورہ ہی جانتی تھی کہ اُس کی زندگی میں اللہ نے کتنا بڑا اِنقلاب پیدا کیا ہے۔ اب وہ پہلا سا یعقوب نہیں رہا تھا بلکہ نہایت سلجھا ہوا نیک فطرت جوان تھا

جس سے اللہ راضی تھا۔ اُس نے ایک سرد آہ بھری، "میرے بچے! مَیں تو اِتنا جانتی ہوں کہ یہ میرا آخری سفر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مَیں نے مرنے سے پہلے کنعان کی سرزمین ایک بار پھر دیکھ لی ہے۔"

حضرت یعقوب نے بُڑھیا کی ہمت بڑھائی، "اب تو آرام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ بس ذرا سکم سے باہر کچھ زمین خرید لوں تو پھر وہیں اپنے خیمے گاڑ لیں گے۔"

یہ سن کر دبورہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ سوچنے لگی، "یہ یعقوب خدا کے وعدے پورے ہونے کا اِنتظار نہیں کرسکتا جو ابھی سے زمینیں بھی خریدنا شروع کر دیں؟"

حضرت یعقوب کی باتوں کی بھنک حضرت یوسف کے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی۔ اُنہوں نے بَیل گاڑی میں ہی زور زور سے اُچھلنا چیخنا شروع کر دیا، "بابا! بابا! جب آپ زمین خریدنے سکم جائیں گے تو مَیں بھی آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔"

حضرت یعقوب کے پہلوٹھے بیٹے رُوبن نے اپنے چھوٹے بھائی کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا، "ابا کے پاس تمہارے ساتھ سر کھپانے کے علاوہ بھی کرنے کو بہت سے کام ہیں۔"

حضرت یوسف اور اُن کی ماں راخل رُوبن کی آواز سنتے ہی سہم گئے۔ اُن کے وجود میں سرد لہر دوڑ گئی۔ حضرت یعقوب راخل کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ لیکن اُن کی یہی محبت راخل کی زندگی کا عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ اُسے سردار کی منظورِنظر ہونے کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی تھی۔

راخل نے سوچا، "میرا اپنی بڑی بہن لیاہ سے رویہ کتنی مرتبہ غیر ہمدردانہ رہا ہے۔ اور پھر جب لیاہ سے ایک کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوا تو اپنے بانجھ پن پر کُڑھ کُڑھ کر میری زندگی کتنی تلخ ہوگئی۔ اِس کرب نے مجھے کتنا بے بس کر دیا۔ مَیں مایوس ہو کر اللہ کے دَر پر کتنی مرتبہ جھک گئی، روئی، گڑگڑائی اور سچے دل سے دعائیں مانگتی رہی۔ تب اللہ کو مجھ پر رحم آ گیا اور مجھے ایک چاند سا بیٹا عطا کیا — حضرت یوسف!"

اِس بچے کی پیدائش نے اُس کی زندگی ہی بدل ڈالی تھی۔ وہ مغرور، شاکی، کینہ پرور اور دل گیر راخل اب سنجیدہ، صابر، مخلص اور زندہ دل راخل بن چکی تھی۔ اُس نے اپنا دل رب کے حضور کھول کر رکھ دیا تھا۔

راخل نے سوچا، "یوسف کی پیدائش کے وقت اِنتہائی تکلیف کی گھڑی میں لیاہ نے کتنی محبت سے میرا ساتھ دیا۔ لیاہ جو میری بڑی بہن، میرا اپنا خون ہے۔ مَیں کتنی نادان تھی۔ مَیں ایک ہیرے کو صرف اِس لئے پتھر سمجھ کر ٹھکراتی رہی کہ وہ میری سَوت تھی۔ حسد نے مجھے اندھا کر دیا تھا۔ اب جو میری آنکھیں کھلیں تو مَیں نے جانا کہ لیاہ تو میرے حق میں فرشتہ ہے۔ خیمہ بستی کا سارا اِنتظام جس مہارت سے وہ سنبھالے ہوئے ہے کسی اَور کے بس کا روگ نہیں۔"

لیکن افسوس صد افسوس! نفرت کا جو بیج سالوں کے مسلسل جھگڑوں کے باعث بویا جا چکا تھا اب حضرت یعقوب کے بیٹوں کے دلوں میں پروان چڑھ رہا تھا۔ اُنہیں اپنے باپ کا راخل اور چہیتے بیٹے یوسف کے ساتھ خیمے میں رہنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، جبکہ راخل پھر اُمید سے تھی۔

رُوبن بُڑبڑاتا ہوا اپنے بھائی شمعون کے پاس آیا۔ ”دیکھا تم نے! جمعہ جمعہ آٹھ دن پیدائش کو ہوئے اور صاحب زادے کے لئے ابا نے ایک اُستاد بھی رکھ لیا ہے۔ بڑے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں آیا اور کل کے اِس چھوکرے کی پڑھائی کی اِتنی فکر۔“

شمعون نے پیار سے تھپتھپاتے ہوئے اُسے رام کرنا چاہا ”اوہو! اُستاد رکھ لیا تو کیا ہوا۔ بھئی پڑھ لینے دو اُسے۔ ہاں ایک بات سنو، ابا کی زمین خریدنے والی بات سن کر سچ مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی ہے۔ اِس کا مطلب ہے کہ ہم سکم میں رہیں گے۔ ہے نا؟“

جب قافلہ سکم کے قریب پہنچ گیا تو سب کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ حضرت یعقوب نے وہیں رُک جانے کا فیصلہ کیا اور شاہ بلوط کے ایک درخت کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے بولے، ”جب میرے دادا ابراہیم حاران سے آئے تھے تو اُنہوں نے اِسی جگہ اپنے خیمے گاڑے تھے۔ یہیں اُنہوں نے ایک مذبح بنایا اور زندہ خدا کی پرستش کی تھی۔“

حضرت یوسف کی نظریں سکم کے دونوں جانب واقع بڑے بڑے پہاڑوں پر گڑی تھیں۔ وہ اُن کی بلندی سے بہت مرعوب ہو رہے تھے۔ آخر وہ بول ہی پڑے، "بابا! کیا دادا ابا نے اِن پہاڑوں کو بھی دیکھا تھا ؟ کتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ بابا! وہ دیکھو، اِتنے بڑے بڑے پہاڑ تو خدا ہی بنا سکتا ہے۔ ہے نا بابا ؟" اُن کی آنکھوں میں سنجیدگی جھلکنے لگی تھی۔ باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے، "مَیں بھی اللہ سے بہت پیار کرتا ہوں۔ ... لیکن وہ تو مجھ سے کبھی بھی بات نہیں کرتا۔"

بچے کی باتیں سن کر حضرت یعقوب کا دل خوشی سے بھر گیا۔ اُنہیں اپنے بیٹے پر بے تحاشا پیار آیا اور اُس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا، "تم اللہ سے باتیں کرنا چاہتے ہو؟ اگر واقعی ایسا ہے تو وہ ضرور تمہاری زندگی میں آجائے گا۔ بیٹے، خدا میں تمہیں سب کچھ مہیا ہو گا۔"

"سچ بابا ؟" حضرت یوسف بے ساختہ اپنے باپ سے لپٹ گئے۔

ابھی قافلے نے دم بھی نہ لیا تھا کہ مقامی لوگوں کا ہجوم اُن کے گرد آ کھڑا ہوا۔ وہ اِن اَجنبیوں کو حیرت سے تکنے لگے۔ ہجوم کی تجسس بھری نگاہیں نئے آنے والوں کا جائزہ لیتی رہیں۔ سوالوں کی بوچھار اُن پر پڑ

گئی۔ سکم کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں اور باہمی دل چسپی کے اُمور پر گفتگو شروع ہوئی۔ اِتنے طویل اورتھکا دینے والے سفر کے بعد گپ شپ میں خاصا لُطف آ رہا تھا۔ خصوصاً زنانہ طبقے کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ جب سے اُنھوں نے شہر میں بِکنے والے بُندوں، ہاروں، دوپٹوں اور شالوں کے بارے میں سنا تھا ساری خیمہ بستی میں گفتگو کا بازار گرم تھا۔

حضرت یعقوب نے یوسف کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اُن کے چھے بڑے بیٹے اُن کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ باپ دادا کی سرزمین پر اُن کے قدم بڑے فخر سے پڑ رہے تھے۔ حضرت یعقوب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسرت کے اِن چند لمحوں کے پیچھے کیسا طوفان چھپا ہوا ہے۔

سکم کے بڑے بوڑھوں نے شہر کے دروازے سے اِن اَجنبیوں کو بڑے مشکوک انداز میں دیکھا۔

حضرت یعقوب اور اُن کے بیٹوں نے احتراماً جھکتے ہوئے کہا، ”تم پر سلامتی ہو۔“

"دیوتا تم پر رحم کریں،" جواب ملا۔

"مجھ پر ایک عنایت کر دیجئے۔ میرے ہاتھ شہر سے باہر کی کچھ زمین فروخت کر دیجئے تاکہ مَیں وہاں اپنے خیمے گاڑ سکوں۔"

ایک ڈاڑھی والے بزرگ نے نظر ڈالتے ہوئے پوچھا، "اے اجنبی! تم ہو کون؟"

"مَیں بالکل ہی اجنبی نہیں ہوں۔ میرے دادا حضرت ابراہیم نے پہلے بھی سکم کے باہر اپنے خیمے گاڑے تھے۔" یہ بات کہتے ہوئے حضرت یعقوب کا سر فخر سے تن گیا۔

"میرا بوڑھا باپ اسحاق حبرون میں رہتا ہے۔ مَیں دُور اپنے ماموں کے پاس حاران میں رہتا تھا اور اب گھر لوٹ کر جا رہا ہوں۔ میرا جُڑواں بھائی عیسو ادُوم میں اپنے بارسوخ گھرانے کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔"

وہ لوگ اُس کی باتوں سے بہت متاثر اور مرعوب ہوئے۔ اُن میں سے ایک دو تو زندہ خدا کی عبادت کرنے والے ابراہیم کے بارے میں جانتے بھی تھے۔ ڈاڑھی والے بزرگ نے حضرت اسحاق کے متعلق بھی

سن رکھا تھا — وہ اسحاق جو کہ اَمن کے علَم بردار تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے کنویں میں اِنتقاماً ریت بھر دی گئی تھی، تو بھی اُنہوں نے جھگڑا نہیں کیا تھا۔ قصبے کے بزرگوں کے ترجمان نے اُن سے دریافت کیا، "کیا تم بھی ابراہیم کے خدا کی پرستش کرتے ہو؟"

"ہاں! بے شک! ہم بھی اُسی کے خادم ہیں۔" حضرت یعقوب کی آواز میں اِعتقاد کی پختگی تھی۔

ترجمان نے دھیرے سے کہا، "ہر شخص سمجھتا ہے کہ صرف اُس کا اپنا دیوتا ہی اچھا ہے۔" پھر ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا، "لیکن جب اِن دیوتاؤں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے تو سب کے سب چُپ سادھ لیتے ہیں۔ اِن سب پر ہماری فریاد کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔"

حضرت یوسف کی آنکھیں اپنے باپ پر جمی ہوئی تھیں جنہوں نے زور سے سر ہلا کر کہا، "بزرگو! جس خدا کی پرستش مَیں کرتا ہوں وہ زندہ ہے۔ وہ کلام کرتا ہے۔ وہ میرے دادا ابراہیم سے ہم کلام ہوا۔ اُس نے میرے باپ اسحاق سے کلام کیا اور خود مجھ سے بھی۔"

لوگوں کی دل چسپی اُن کی باتوں میں بڑھنے لگی۔ ”اے معزز سردار، تشریف رکھئے اور آپ نوجوان بھی اِسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔“ پھر ترجمان حضرت یعقوب کی طرف جھکتے ہوئے بولا، ”جب اللہ آپ سے کلام کرتا ہے تو کیسا لگتا ہے؟“

حضرت یعقوب کو اِس سوال کا جواب دینے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ آخر اُنہوں نے تسلیم کرتے ہوئے کہا، ”اِسے بیان کرنا تو بہت ہی مشکل ہے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ جب اللہ کسی سے ہم کلام ہوتا ہے تو اِس سے اُس کی پوری زندگی متاثر ہوتی ہے۔ اِنسان جان جاتا ہے کہ اللہ ہی وہ واحد ہستی ہے جو اُس کے دل کی بات کو سمجھتا ہے۔ اُسے اِنسان سے محبت ہے۔ وہ اُس کی فکر کرتا اور ہر لحاظ سے اُس کی بہتری چاہتا ہے۔“

حضرت یعقوب نے دیکھا کہ اُن کا ایک ایک لفظ حضرت یوسف کے دل میں اُتر رہا ہے۔ پھر وہ بڑے اعتماد سے کہنے لگے، ”خدا پاک ہے۔ جو اُس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود کو پوری طرح اُس کے سپرد کر دے تاکہ وہ اُس کی زندگی کو بدلے۔“

اِس پر وہ بزرگ ناگواری سے کہنے لگے، "بس، بس! ہمیں اِس سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ دیوتاؤں نے اِنسان کو فطرتاً نہایت کمزور بنایا ہے۔ اِس لئے ہم جیسے تَیسے زندگی گزار لیتے ہیں۔"

حمور کے بیٹوں سے زمین حاصل کرنے میں حضرت یعقوب کو کچھ مشکل پیش نہ آئی۔ سکم کے بادشاہ نے جو زمین کا مالک تھا اُن کی بہت مدد کی۔ اِس وقت تک رات ہوگئی تھی۔ لہٰذا اُنہوں نے خیمے گاڑ لئے اور عورتیں کھانا پکانے میں مصروف ہوگئیں۔ رات کی تاریکی میں لپکتے شعلوں کا منظر بڑا دِل فریب تھا۔

لیاہ اپنی لونڈیوں کے ساتھ لذیذ کھانے پکانے میں مصروف تھی۔ اِتنا عرصہ فارِغ رہنے کے بعد اُسے کام کرنے میں بہت لُطف آ رہا تھا۔ دِینہ اور زِلفہ چکّی میں گندم پیس رہی تھیں۔ اُتنے میں راخل اور اُس کی لونڈی بِلہاہ نے دودھ بِلو کر مکھن نکال لیا تھا۔ کھانوں کی ملی جلی خوشبو نے حضرت یوسف کی بھوک کو اَور چمکا دیا تھا۔

دِینہ نے مسکراتے ہوئے کہا، "چھوٹے بھیا، مجھے چھپا کر ہی تمہیں کھانے کو کچھ دینا پڑے گا۔ اگر تمہارے بھائیوں نے اپنے سے پہلے تمہیں کھاتے دیکھ لیا تو وہ تو تمہاری پٹائی کر دیں گے۔"

لیاہ نے چپکے سے خشک کھجوریں اُس کی ہتھیلی میں تھما دیں۔ "اِن سے تمہاری بھوک کچھ کم ہو جائے گی۔"

حضرت یوسف کو اپنی خالہ سے بہت محبت تھی۔ وہ اُسے اِس قدر چاہتے تھے کہ اُس کی چُندھی آنکھیں بھی اُنہیں بہت اچھی لگتی تھیں۔ کھجوریں لے کر وہ بہت خوش ہو گئے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے اُچھلتے کودتے باہر نکل گئے۔ اُنہوں نے لیاہ کو یہ کہتے سنا، "راخل، بہت پیارا بچہ ہے تیرا۔ تُو نے بہت اچھی تربیت کی ہے اِس کی۔ بڑا ہو کر کچھ بنے گا یہ۔ اور اب اِس کے باپ کی تربیت اِس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کرے گی۔ کون جانے تیرا بیٹا کیا سے کیا بن جائے۔"

لیاہ نے سرد آہ بھری اور پھر اپنے اُجڈ اور بدتمیز لڑکوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

اِتنے میں حضرت یوسف کی آواز سنائی دی، "ماں، مَیں دبورہ کے پاس جا رہا ہوں۔"

دبورہ کے خیمے میں روشن چراغ کی کرنیں چھن چھن کر چھت پر پڑ رہی تھیں۔ حضرت یوسف نے بڑے محتاط انداز میں دھیرے سے پکارا تاکہ اُس کی آواز سن کر بُڑھیا کہیں ڈر نہ جائے، "مَیں ہوں ــــ یوسف۔"

اِتنے طویل سفر کے باوجود دبورہ کے چہرے پر تھکاوٹ کے کوئی آثار نہ تھے۔ یہ دیکھ کر یوسف کی ہمت بڑھی اور شرما کر بولا، "دبو! مجھے اُس وقت کے بارے میں بتاؤ جب آپ پہلی بار کنعان میں آئی تھیں۔"

اِس سوال سے جھریوں بھرے چہرے پر ایک اُداس سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ وقت اُسے ایک بیتا ہوا خواب معلوم ہونے لگا۔ اُس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "اُس وقت جانتے ہو مَیں بالکل جوان تھی ــــ بالکل جوان اور حسین ــــ اور حاران میں تمہاری دادی رِبقہ کی دایہ تھی۔ رِبقہ نہایت خوب صورت لڑکی تھی۔ بس اَب مَیں تمہیں کیا بتاؤں! جو سفر ہم نے تمہارے پردادا حضرت ابراہیم کے وفادار خادم

الی عزر اور اُس کے ساتھیوں کے ہمراہ کیا وہ کیا سفر تھا! ہم سیدھے حبرون کی طرف چل پڑے۔"

حضرت یوسف مچل اُٹھے، "مَیں بھی اُسی راستے سے آیا ہوں نا، ہے نا ؟ کسی دن ہم دادا اسحاق سے ملنے حبرون بھی جائیں گے۔"

"بہت سمجھ دار ہے میرا مُنا۔ دُکھ تو اِس بات کا ہے کہ تمہاری دادی اماں رِبقہ اِس دُنیا سے جا چکی ہیں۔ وہ تم سے مل کر کتنی خوش ہوتیں! ... جب ہم اونٹوں پر سوار یہاں پہنچے تو شام کا وقت تھا اور پھر اچانک دُور کھیتوں میں تمہارے دادا اسحاق آہستہ آہستہ چلتے نظر آئے۔ اُنہیں دیکھتے ہی تمہاری دادی جان گئی کہ یہ آدمی کون ہو گا۔ اُس نے جھٹ سے چادر لے کر اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ تمہارے دادا دادی شادی کے بعد بہت خوش رہتے تھے۔ لیکن بیس برس تک اُن کے ہاں کوئی بچہ نہ ہوا۔ اُنہوں نے اللہ سے منت کی کہ اُنہیں اولاد دے۔ پتا ہے مُنے، خدا بڑا رحیم ہے۔ وہ اپنے لوگوں کو بڑے بڑے تحفے دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اُس نے اُنہیں بھی دو جُڑواں بیٹے عطا کئے ــــ عیسو اور یعقوب۔"

حضرت یوسف ایک دم سنجیدہ ہو گئے اور دبورہ سے پوچھنے لگے، "پتا ہے میرا نانا لابن بتوں کو پوجتا ہے جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔" پھر وہ اُس کی طرف جھکے اور سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگے، "کسی سے کہنا نہیں ...معلوم ہے ماں نے نانا جی کا پسندیدہ بت چُرا لیا تھا اور سفر میں اپنے ساتھ لے آئی تھی؟ نہ جانے نانا جی کو کیسے پتا چل گیا۔ یاد ہے کتنے غصے میں تھے وہ؟ اور بت لینے کے لئے وہ کس طرح ہمارے پیچھے آئے تھے؟"

دبورہ خوف زدہ سی ہوگئی۔ "کیا کہا، وہ بت تمہاری ماں نے چُرایا تھا ؟ اور دیکھو تمہارے باپ نے اُس وقت قَسم کھا کر کہا تھا کہ جس کے پاس سے وہ بت ملے گا اُسے جان سے مار دیا جائے۔ آخر تمہاری ماں نے اُسے ایسی کون سی جگہ پر چھپایا کہ تلاش کے باوجود وہ نہ ملا ؟"

یوسف نے اپنا منہ اُس کے کان سے لگاتے ہوئے کہا، "ماں نے وہ بت اُونٹ کی کاٹھی میں چھپایا ہوا تھا۔ جب نانا جی اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ماں کے پاس آئے تو اُس نے بہانہ کر دیا اور کاٹھی پر بیٹھی رہی۔ لیکن دبو، اللہ تو جانتا ہے اور پھر اُس نے ابا کو قَسم کھاتے بھی سنا

ہے تو کیا ... کیا ماں کو مرنا ہو گا ... بتاؤ نا ؟ اچھی دبو، وہ بت تو ابھی تک ماں کے پاس ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ مَیں نے صرف اِس لئے پاس رکھا ہے کہ یہ مجھے گھر کی یاد دلاتا رہے گا۔"

دبورہ نے گہری سانس بھر کر جواب دیا، "اللہ تمہاری ماں پر رحم کرے! ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ بت پرستوں کے گھرانے سے ہے۔ اُسے بہت کچھ سیکھنا پڑا۔ لیکن اُس نے خدا کو جان لیا ہے اور اب وہ پہلے سے کافی بدل چکی ہے!"

یہ کہہ کر اُس نے ننھے یوسف کو اپنے ساتھ چمٹا لیا اور بڑے پیار سے اُس کے خوب صورت و ملائم بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے بولی، "یوسف بیٹا! دیکھو، تم اپنے باپ کے راستے پر چلنا۔ وہی سیدھا راستہ ہے۔"

چند دنوں کے بعد حضرت یعقوب نے ایک قربان گاہ بنائی اور اپنے سارے گھرانے کے ساتھ مل کر وہاں زندہ خدا کی پرستش کی۔ وہ اللہ سے پیار کرتے تھے۔ اِس لئے ضروری تھا کہ اُن کے گھر والے بھی اُس کو جان لیتے اور اُس سے محبت کرتے۔ جب وہ دیکھتے کہ اُن کا بیٹا یوسف

خدا کی طرف کس قدر راغب ہے تو بہت خوش ہوتے۔ لیکن بڑے بیٹوں کو دیکھ کر وہ مایوس ہو جایا کرتے تھے۔

اُس دن موسم بہت خوش گوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جو راخل کے گھنے سیاہ بالوں سے اٹکھیلیاں کرتی جاتی تھی۔ حضرت یعقوب اُس کے پاس بیٹھے اُسے پھولوں کے گجرے گوندھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اُس کی نرم و نازک اُنگلیاں بڑی مہارت سے پھول پرو رہی تھیں۔ جیسے ہی حضرت یعقوب کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی وہ بڑے پیار سے پکارے، "یوسف، اِدھر تو آؤ! دیکھو تمہاری ماں کیا کر رہی ہے۔ ارے آؤ نا! دیکھو پھولوں کو بالکل ویسے ہی پرو رہی ہے جیسے جوانی میں پرویا کرتی تھی اپنے باپ کے گھر میں بھیڑیں چراتے ہوئے۔" ماضی کا رُومان پرور سماں اُن کی آنکھوں میں ناچ رہا تھا۔

حضرت یوسف نے اپنی ماں کو دیکھا اور دوڑتے ہوئے اُس کی طرف لپکے۔ ماں نے اپنی ممتا بھری بانہیں پھیلا دیں، "آؤ میری جان!" اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگی۔

یوسف والدین کو اکٹھے دیکھ کر مچل گیا، "ماں! سب کے چھوٹے چھوٹے بھائی ہیں۔ بابا! میرا بھائی کیوں نہیں ہے؟ آپ مجھے بھی بھائی لا دیجئے نا!"

"تمہیں بھی ضرور بھائی ملے گا" باپ نے بیٹے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "بس کچھ دیر اِنتظار کرو، بہن آ جائے گی یا بھائی ... کیسا ہے مُنے؟"

یعقوب کی آنکھیں راخل کی آنکھوں سے ٹکرائیں اور پھر اُس نے شرما کر آنکھیں نیچے کر لیں۔

حضرت یوسف نے اپنے باپ کا ہاتھ چھڑایا، اپنی ماں کو چوما اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے، "مَیں سب کو یہ خبر سناؤں گا ... ضرور سناؤں گا ...!"

جب وہ بھاگے چلے جا رہے تھے تو اُنہیں دبورہ کی بات یاد آئی۔ وہ سوچنے لگے، "میرا یہ بھائی بھی تو اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہو گا۔" اب تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ بے ساختہ اُن کے منہ

سے نکلا، "خدایا! پیارے بھیا کے لئے بہت بہت شکریہ۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ ہمیشہ اُس کا بہت خیال رکھوں گا۔"

زندگی معمول کے مطابق گزرتی گئی۔ ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ ہر چہرہ مسرور، ہر روح آسودہ، کہ اچانک ہی ایک مصیبت ٹوٹ پڑی۔ دِینہ چند عورتوں کے ساتھ سِکم گئی تو وہاں کے شہزادے کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ وہ پہلی ہی نظر میں اُس پر عاشق ہو گیا اور زبردستی اُسے اپنے محل میں لے گیا۔

یہ واقعہ حضرت یعقوب کے گھرانے کے لئے سانحہ سے کم نہ تھا۔ خیمہ بستی میں موت کی سی خاموشی طاری ہوئی۔ لیاہ نے رو رو کر اپنی آنکھیں لال بوٹی کر رکھیں اور راخل کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کس طرح سے بہن کی ڈھارس بندھائے۔

حضرت یعقوب کے ہونٹوں پر گویا مہر لگ گئی تھی۔ اُن کی نگاہیں بار بار خیمے کے دروازے سے ٹکرا کر لوٹ آتی تھیں۔ اُنہیں اپنے بیٹوں کا اِنتظار تھا جو ابھی کھیتوں سے نہیں لوٹے تھے۔ آخر وہ اکیلے کرتے بھی کیا

... ۔ جب وہ آ گئے تو گرم خون، جوانی کا جوش اور اِس پر غیرت و عزت کا مسئلہ! صورتِ حال معلوم ہوتے ہی وہ آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑے۔ اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ سر پر وحشت سوار تھی کہ اِتنے میں بادشاہ کی آمد کی خبر آ پہنچی۔ وہ چند بڑوں سے ملاقات کا خواہش مند تھا تاکہ اپنے بیٹے اور دِینہ کے بیاہ کی بات پکی کر سکے۔ ساری خیمہ بستی پر سناٹا طاری تھا۔ معمولی سا غلط قدم کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔

بادشاہ بااِختیار اور معتبر شخصیت کا مالک تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بیٹے کی محبت سے مغلوب ہو کر اُس کی پسند کی لڑکی کا ہاتھ مانگنے اجنبیوں کے خیمے میں خود چل کر آیا تھا۔ اپنی آمد کے مقصد کا اِظہار کرتے ہوئے اُس نے حضرت یعقوب کو بتایا کہ اُس کا بیٹا دِینہ کو شدت سے چاہتا ہے۔ وہ اُس کے محل میں نہایت سُکھی رہے گی اور ایک لڑکی کو اِس سے زیادہ اَور کیا چاہیئے! یہاں تک کہ اُس نے دِینہ کی شادی کے لئے حضرت یعقوب کا مطالبہ جاننے کی خواہش کا اِظہار بھی کیا۔

حضرت یعقوب جھنجھلا اُٹھے۔ اللہ نے بت پرستوں میں شادی بیاہ رچانے سے منع فرمایا تھا۔ دوسری طرف اُن کی بیٹی دِینہ کی خوشیاں تھیں جنہیں وہ ٹھکرانا نہیں چاہتے تھے۔ اِس کے علاوہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خدا کے بغیر زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ ابھی وہ اِسی شش و پنج میں مبتلا تھے کہ اُن کے بیٹے بول پڑے، "عالی جاہ! ہم اپنی بہن کا ہاتھ ایسے شخص کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے جو نامختون ہو۔ پہلے آپ سکم کے مردوں کا ختنہ کروا دیجئے۔ پھر ہماری کسی بھی لڑکی کو بیاہ سکتے ہیں اور ہم بھی آپ کی لڑکیوں سے شادیاں کر لیں گے۔"

یہ شرط بڑی خوشی سے قبول کر لی گئی۔ تاہم تیسرے روز جب سب مرد درد سے کراہ رہے تھے اور نہایت تکلیف میں مبتلا تھے تو دِینہ کے بھائی شمعون اور لاوی سکم میں داخل ہوئے۔ چونکہ وہ لوگ اُنہیں اپنا دوست سمجھتے تھے اِس لئے اُنہیں گھر گھر داخل ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ اُن کے اِعتماد کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُنہوں نے ہر گھر کے مردوں کو تلوار سے قتل کر ڈالا۔ پھر فتح کے نشے میں چُور وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی لے آئے اور مِل کر سارے شہر میں لُوٹ مار مچا

دی۔ یہ سب کچھ اِتنی جلدی ہو گیا کہ خیمہ بستی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ کیا ہوا ہے۔ سب بھائی اپنے اُونٹ دوڑائے جاتے اور خوشی سے چلّا رہے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ پھر لوٹی ہوئی بھیڑ بکریوں اور دیگر مویشیوں کی آوازیں سنائی دیں جو عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار اور آہ و بکا کے علاوہ تھیں۔ خیمہ بستی والوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔

حضرت یعقوب کے بیٹوں نے نہ صرف سکم کو لوٹا بلکہ وہاں کی عورتوں اور بچوں کو بھی اِغوا کر لیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر حضرت یعقوب غصے میں آپے سے باہر ہو گئے۔ وہ بیٹوں پر برس پڑے، "تم نے یہ کیا کِیا ؟ میرے نام کو بٹا لگا دیا۔ ڈبو دیا ہے میرا نام تم نے۔ ہماری تعداد ہی کتنی ہے! مقامی لوگ ہمیں آسانی سے شکار کر سکتے ہیں۔ اور پھر ... پھر تم نے اللہ کی بھی توہین کی ہے۔ میرے سینے میں چھرا گھونپا ہے تم نے!"

شمعون نے چلّا کر جواب دیا، "اپنی بیٹی کی آبرو ریزی کا اِنتقام لینا تمہارا کام تھا۔" پھر اُس نے دِینہ کو باپ کی طرف دَھکا دیتے ہوئے

نفرت سے کہا، "یہ رہی تمہاری بیٹی۔ تم بُزدل ہو ... ہاں ہاں، بُزدل ہو تم۔"

خیمہ بستی پر خوفناک تاریکی چھا گئی ... ایک گھمبیر تاریکی ... جیسے سب موت کے فرزند ہوں!

دُکھ کا سفر

وہ رات بڑی بھاری تھی۔ مایوسی فضا میں رَچی ہوئی تھی۔ روح کا بوجھل پن اور دل کا کرب حضرت یعقوب کو کچلے جا رہا تھا۔ اُن کے قدم مِن مِن کے ہو رہے تھے۔ اپنے آپ کو بڑی ہمت سے سمیٹ کر وہ خیمے سے باہر نکل آئے۔ گہری خاموشی، بیزار کن سناٹا۔ دُور دُور تک نہ کوئی بندہ بشر، نہ پتوں کی سرسراہٹ۔ جیسے سارا عالَم اُن کی اُداسی میں تحلیل ہو چکا ہو۔ کیا کہیں گوشۂ اَمن ... جائے پناہ ... سایۂ عافیت؟ ہائے! کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھاری قدموں سے قربان گاہ کی طرف کھنچے چلنے لگے۔ ذہن میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ اِتنا کچھ ہو جانے

کے بعد اللہ مجھے ضرور چھوڑ دے گا۔ اِس خیال کے آتے ہی وہ نڈھال ہو کر مذبح پر گرے اور بڑی اذیت میں پکار اُٹھے، "اے خدا! اے قدوس اور مہیب خدا! مَیں خود کو تیرے رحم و کرم پر چھوڑتا ہوں کیونکہ تُو ہمیشہ اپنے بندوں پر فضل کرتا ہے۔ تُو نے ابراہیم کی اولاد کے لئے کتنے بڑے بڑے منصوبے بنا رکھے ہیں، لیکن میرے بیٹوں نے ہر چیز پر پانی پھیر دیا ہے۔ ہم نے تجھے ناراض کیا ہے۔ یقیناً تُو ہم میں سے ایسی قوم نہیں پیدا کرے گا جو ساری دُنیا کے لئے برکت کا باعث ہو۔ ہم نے تیرے پاک نام کی تحقیر کی ہے۔ اے خدا! میری تقصیر معاف فرما۔ اے میرے رب! مجھے ترک نہ کر۔ تیری محبت اور شفقت کے سائے میں رہنے کے بعد تیرے بغیر مَیں ہرگز نہ جی سکوں گا۔" روتے روتے حضرت یعقوب کی ہچکی بندھ گئی۔ شدتِ غم سے اُن کا پورا جسم تھرتھر کانپ رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک رب کے حضور اوندھے منہ پڑے رہے۔ مایوسی اور بے بسی نے اُنہیں اِس حد تک مغلوب کر رکھا تھا کہ اُن میں اُٹھ کر چلنے کی سکت تک نہ تھی۔ خدا قادرِ مطلق کے حضور میں ایک دُکھی باپ اپنے غم زدہ دل کے ساتھ ماتم کر رہا تھا۔

قربان گاہ پر اچانک اُن کے تھکاوٹ سے چُور جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اُنہیں اللہ کی پاک حضوری کا پوری طرح احساس ہو چلا تھا۔ اچانک اُنہیں محسوس ہوا کہ اللہ کا دل بھی اہلِ سکم کے دُکھ اور یعقوب کے بیٹوں کی سنگ دلی پر افسردہ ہے۔ حضرت یعقوب کی مایوسی سکون اور اطمینان میں بدل گئی۔ وہ جان گئے کہ اللہ مجھے ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ وہ سچا اور قادر ہے اور اپنا عہد کبھی نہیں توڑ سکتا۔ پھر اُنہوں نے خدا کی آواز سنی، "اُٹھ، بیت ایل جا کر وہاں آباد ہو۔ وہیں اللہ کے لئے جو تجھ پر ظاہر ہوا جب تُو اپنے بھائی عیسَو سے بھاگ رہا تھا قربان گاہ بنا۔"

اللہ اُن کے ساتھ کتنے تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اِتنا کچھ کر گزرنے کے باوجود وہ صبر سے سب کچھ برداشت کر رہا تھا۔ اپنے بڑے لڑکوں میں حضرت یعقوب کو اپنی جوانی کی پُرانی فطرت کا عکس نظر آتا تھا۔ سچ ہے وقت اپنی کہانی دُہراتا ہے اور بعض اوقات اپنا ماضی ایک بھیانک حقیقت بن کر حال کی دیوار بن جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگے، "کیا ماضی کا آسیب کبھی بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا ؟ کیا مَیں عمر بھر اِسی قید میں

رہوں گا ؟ کب تک ... آخر کب تک قدرت مجھے آئینہ دکھاتی رہے گی؟" اُن کا ذہن اِن خیالات میں اُلجھا ہوا تھا، لیکن اِس کے باوجود اللہ کی حضوری اور رفاقت کے فرحت بخش احساس سے وہ کافی دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

پھر وہ ہمت کرکے اُٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے راخل کے خیمے کی طرف چل دیئے۔ اُن کا دل کمال اطمینان سے لبریز تھا۔ بے چاری لیاہ ... اُس کے دماغ پر تو پہلے ہی دِینہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی وحشت سوار تھی۔ اِس پرطُرہ یہ کہ اُس کے بیٹوں نے اِس نئی حرکت سے اُس کی ذلت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ حضرت یعقوب دبے پاؤں خیمے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک گدھے کی بھر پور آواز خاموش فضا میں گونجنے لگی۔ چراغ کی مدھم روشنی ظاہر کر رہی تھی کہ راخل اور یوسف ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ پاس ہی چارپائی پر لیٹے ہوئے اُن کے بیٹے نے پوچھا، "بابا! اب تو آپ ناراض نہیں ہیں نا ؟" اُس کی متلاشی نگاہیں اپنے باپ کے چہرے پر گڑی تھیں۔ "کیا اللہ آپ سے ہم کلام ہوا ؟"

حضرت یعقوب نے اپنے بازُو اُن کے کندھوں کے گرد حمائل کر دیئے اور راخل کی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے اُس پر ایک نظر ڈالی۔ راخل کی متجسس نگاہیں اپنے خاوند کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو وہ مسکراتے ہوئے بولے، "میری جان! اللہ کا شکر ہے کہ کم ازکم ایک تو خدا کی سوجھ بوجھ رکھتا ہے۔ اِس پر کچھ تمہارا اثر پڑا ہے۔"

حضرت یوسف اپنی چارپائی پر جانے کو پلٹے تو اُن کے باپ نے بڑے پیار سے کہا، "چلو بیٹا! اب سو جاؤ۔ شب بخیر! ہم جلد ہی بیت ایل روانہ ہو جائیں گے۔"

حضرت یوسف کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، "بابا! خدا نے بیت ایل جانے کو کہا ہے کیا ؟"

"ہاں، اللہ نے ہی کہا ہے۔ شاباش، چلو اَب سو جاؤ۔"

"شب بخیر بابا!" اور حضرت یوسف اپنی چارپائی پر لیٹتے ہی خوابوں کی حسین وادی میں کھو گئے۔

حضرت یعقوب پھر راخل کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرنے لگے۔ دراصل وہ دن بھر کی شدید بے چینی کو

اپنے پیار بھرے جذبات کے اِظہار سے کم کرنا چاہتے تھے جس نے راخل کو پریشان اور نڈھال کر رکھا تھا۔ حضرت یعقوب اپنی بیوی کے قریب بیٹھ گئے اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔ راخل نے آگے کو جھک کر اُنہیں دیکھا۔ اُسے تشویش ہوئی کہ خدا نخواستہ خاوند کی طبیعت تو خراب نہیں۔ لیکن جب اُنہوں نے گہری سانس بھر کر اپنی بیوی سے باتیں کرنا شروع کیں تو اُس کی جان میں جان آئی۔ اُنہوں نے کہا، "رحیم و کریم خدا مجھ سے ہم کلام ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ہمیں ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ اِس سے پہلے کہ ہم بیت ایل کو روانہ ہوں مَیں چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو پاک کرے۔"

اب حضرت یعقوب نے سنجیدہ لہجے میں اپنی بات جاری رکھی، "یعقوب کے ساتھ بسنے والوں کو جان لینا چاہئے کہ اُس کا خدا مقدّس اور غیور خدا ہے۔ وہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا کہ ہماری اُس محبت کو جو ہم اُس کے لئے رکھتے ہیں کوئی اَور چھین لے۔"

راخل رونے لگی، "ہمارا کیا بنے گا ؟ جب مقامی لوگوں میں اِس قتل و غارت کی خبر پھیلے گی تو وہ تو ہمیں ہلاک کر ڈالیں گے۔ مجھے تو رہ رہ کر یوسف کا خیال آتا ہے۔ وہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے ... اورتمہارے بیٹوں کی خوں خوارنظریں ہر وقت میرا پیچھا کرتی رہتی ہیں، ہر جگہ مجھے گھورتی رہتی ہیں۔ ساری شام مجھے تو یہی ڈر لگا رہا کہ اُن میں سے ایک نہ ایک ضرور آ کرمیری گردن اُڑا دے گا۔ اُف میرے خدا! آخرمیرے باپ نے کیا سوچ کرہم دونوں بہنوں کو ایک ہی شخص سے بیاہ ڈالا ؟ یہ سب لڑائی جھگڑے اِسی بات کا نتیجہ ہیں۔ یہ سب ہمارا اپنا کیا دھرا ہے۔"

حضرت یعقوب نے بڑے دُکھ سے سر ہلایا۔ "مَیں نے تو پہلے ہی تمہارے باپ سے صرف تمہارا ہاتھ مانگا تھا۔ اِتنی محبت تھی مجھے تم سے کہ تمہیں حاصل کرنے کے لئے جو سات برس مَیں نے تمہارے باپ کی خدمت کی وہ چٹکی بجاتے میں گزر گئے۔ سات سال کا طویل عرصہ یوں لگا جیسے ایک دن ہو۔ لیکن نتیجے میں تمہارا دھوکے باز باپ تمہاری جگہ لیاہ کو میرے خیمے میں چھوڑ گیا۔ اورشادی کی اُس رات جب راز فاش

ہوا تو کیا کیا بہانے تھے جو اُس نے نہ بنائے۔ بے چاری لیاہ! اُس کے لئے یہ سب کچھ برداشت کرنا کتنا مشکل تھا۔"

حضرت یعقوب نے راخل کے رُخساروں پر بہتے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بات جاری رکھی، "مَیں بیٹوں کے لئے بھی تو اچھا نمونہ نہ بن سکا۔ اللہ اُنہیں راہِ راست پر لائے۔"

راخل کے ضمیر نے اُسے جھنجھوڑا اور اُس نے اپنے خاوند کے سامنے اِقرار کرتے ہوئے کہا، "یوسف کے بابا! اپنے باپ کا بت آج تک میرے پاس ہے۔ مجھے معاف کرنا لیکن سچ تو یہ ہے کہ جب مَیں اِس خطرناک سفر پر روانہ ہوئی تھی تو زندہ خدا پر میرا ایمان اِتنا پختہ نہ تھا، اِس لئے مَیں نے اِس بت کو ساتھ لے لیا تھا۔ لیکن اب اللہ کی شفقت اور فضل اور اُس پر تمہارے کامل ایمان کو دیکھ کر مجھے اُس کی قدرت اور عظمت کا پورا یقین ہو گیا ہے۔ مَیں جان گئی ہوں کہ یہ بت صرف پتھر کا ایک ٹکڑا ہے۔ یقین مانو! اب مَیں اِسے اپنے پاس نہیں رکھوں گی۔"

اِتنے میں حضرت یوسف کی چارپائی سے رونے کی آواز اُبھری۔ حضرت یعقوب نے فوراً پلٹ کر اُنہیں دیکھا۔ "بیٹا یوسف! کیا ہوا ؟"

راخل نے اپنے خاوند کے بازو کو دھیرے سے چھوا۔ "ارے یہ تو ننھا عرام ہے، اسیروں کا چھوکرا۔ یوسف سے اُس کی یہ قابلِ رحم حالت برداشت نہیں ہوتی، اِس لئے رات کو اُسے اپنی چارپائی پر اپنے ساتھ ہی سلا لیتا ہے۔"

راخل نے تالی بجا کر ساتھ والے خیمے سے بلہاہ نامی لونڈی کو پکارا جو پہلے ہی اِس شور سے گھبرا کر جاگ چکی تھی۔ اُس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن جب اُسے یہ علم ہوا کہ اُسے صرف عرام کو سنبھالنے کے لئے بلایا گیا ہے تو اُس نے سُکھ کا سانس لیا۔ چونکہ عرام حضرت یوسف کے ساتھ چمٹا ہوا تھا اِس لئے دونوں لڑکے بلہاہ کے ساتھ دوسرے خیمے میں چلے گئے۔

ڈیرے میں غم کے سائے بجائے چھٹنے کے اَور گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ لگتا تھا یہ جلد ڈھلنے والے نہیں۔ اُن اسیروں کے کرخت اور ناخوش

چہرے جنہیں اُن کے مقام سے اُکھیڑ لیا گیا تھا اور ہولناک یادیں جو اُن کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں اُس خطرے کی مسلسل یاد دلا رہی تھیں جو کہ خیمہ بستی پر منڈلا رہا تھا۔

حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کی خوب خبر لی، لیکن وہ بدخصلت سب کچھ سن کر بھی ٹس سے مَس نہ ہوئے۔ رات بھر ہی میں اُن کا جوش ٹھنڈا پڑ چُکا تھا اور خود اِعتمادی سے یکسر محروم ہو چکے تھے۔ اَیسے میں ظاہر ہے اُن کی حتی المقدور یہی کوشش رہی تھی کہ وہ اپنے باپ کی نظروں سے بچے رہیں۔ تاہم جوں ہی اُن کی نظر ناشتے کے موقع پر اچانک اپنے باپ پر پڑی اُنہوں نے محسوس کیا کہ وہ کافی حد تک اپنے جذبات پر قابو پا چکے ہیں۔ باپ کے چہرے پر ابھی تک وہ عزم دکھائی دے رہا تھا جو اُس صبح نظر آیا تھا جب وہ دریائے یبوق کے گھاٹ سے واپسی پر لنگڑاتے ہوئے اپنے خیمے میں داخل ہوئے تھے۔ اُس وقت ہر طرف یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ حضرت یعقوب کی اللہ کے فرشتے کے ساتھ کُشتی ہوئی ہے۔ جب اُن کا سردار واپس لوٹا تھا تو وہ لنگڑا کر چل رہا تھا، لیکن اُن کے چہرے سے شاہانہ جلال ٹپک رہا تھا۔

ایک خاص راز اُن کا اِحاطہ کئے ہوئے تھا۔ اُمید بھری نظریں حضرت یعقوب کے چہرے پر گڑی تھیں۔ اُنہیں یقین تھا کہ اگر اللہ بزرگ کے ساتھ ہے تو یقیناً ہمیں بھی کچھ نہیں ہو گا۔

حضرت یعقوب کے دل و دماغ میں اَب تک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ بھنویں تنی ہوئی تھیں۔ اُنہوں نے اپنے گھرانے کو مخاطب کرکے اُنہیں اُن کے جرم کی سنگینی کا احساس دلایا۔ اُن کی سنجیدہ نگاہ اپنے بیٹوں پر جا کر رُک گئی جو شرم سے اپنی نگاہیں زمین میں گاڑے کھڑے تھے۔ اُن کو دیکھتے ہی سینے کی آگ بھڑک اُٹھی اور وہ پوری قوت سے گرجے،

"ہم ... ہم تو گئے گزرے ہیں۔ صرف اللہ ہی ہمیں بچا سکتا ہے۔ چونکہ اُس کے مقدّس نام کی توہین ہوئی ہے اِس لئے لازم ہے کہ ہر ایک عاجزی اِختیار کرے۔ اُس کے حضور خود کو جھکا دے۔ یقیناً وہ ہم پر رحم کرے گا۔ اب تم سب توبہ کرو۔ خود کو پاک کرو۔ نئے کپڑے پہنو اور اپنے سب تعویذ گنڈے اور بت میرے پاس لاؤ تاکہ مَیں اُنہیں دفن کر دوں۔ جلدی کرو کیونکہ اب ہمیں مزید دیر نہیں کرنی چاہئے بلکہ بیت ایل کو کوچ کرنا ہے۔"

حضرت یوسف نے دیکھا کہ اُن کی بہن دِینہ جو آزاد ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرا کرتی تھی کتنی بدل گئی ہے۔ بلاہاہ کے ساتھ وہ بھی بڑے دُکھ کے ساتھ اپنے کانوں کے مُندروں کو دیکھ رہی تھی جن میں دیوتاؤں کی ننھی ننھی مورتیاں بنی ہوئی تھیں۔ تاہم سب نے حضرت یعقوب کے حکم کی تعمیل کی۔ خیمہ بستی میں اُس وقت عجیب افراتفری کا عالَم پیدا ہوا۔ ہر طرف صندوق اور ڈبے کھول کر مطلوبہ چیزیں ڈھونڈی گئیں۔ پھر ایک بلوط کے درخت کے پاس لوگوں کی لمبی قطار لگ گئی جو اپنی باری کے اِنتظار میں کھڑے ہوئے۔ حضرت یوسف بڑی سنجیدگی سے یہ سب منظر دیکھتے رہے۔ لوگوں نے اپنے مورتیوں والے مُندرے، تعویذ گنڈے اور ہر قسم کے بتوں کو بلوط کے درخت کے نیچے کُھدے گڑھے میں پھینکے۔

جب حضرت یوسف نے دیکھا کہ اُن کی ماں راخل نے بھی اپنے باپ کے بت کو اُس گڑھے میں پھینک دیا ہے تو اُن کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ وہ اُچھلتے کودتے اپنی ماں کے پیچھے بھاگے، "ماں! بت کو پھینک دینا بڑا مشکل لگا ہو گا ؟ہے نا ؟" لیکن پھر اُس کی توجہ

ہٹانے کے لئے کہنے لگے، "مجھے وہ باتیں بتاؤ نا ماں، جب آپ حاران میں بکریاں چرایا کرتی تھیں!"

راخل نے اُن کے بھولے بھالے چہرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا، "مجھے گھر سے باہر رہنا بہت اچھا لگتا تھا۔ اور اپنی بنسری بجانے کا تو بہت ہی مزہ آتا تھا!"

"ماں! آپ تو اب بھی بہت اچھی دُھنیں بجا لیتی ہیں۔ پتا ہے مجھے اور بابا کو آپ کی بنسری سننا بہت اچھا لگتا ہے۔ اور ماں! آپ کے کُتے بھی تو آپ کی بھیڑ بکریوں کو ہانک لایا کرتے ہوں گے؟ ہے نا ماں؟"

"ہاں بیٹے! تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ کتے میری بڑی مدد کیا کرتے تھے۔ مجھے خاص کر بھیڑ کے بچوں کی دیکھ بھال کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔" راخل نے اُنہیں پیار سے چمٹا لیا اور کہا، "جلد ہی خدا ہمیں ایک مُنا دے گا۔ ہم اب اُسے پیار کیا کریں گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

جب سب لوگ اپنے اپنے بتوں سے چھٹکارا حاصل کر چکے تو حضرت یعقوب نے قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور وہ تیزی کے ساتھ سکم

سے بیت ایل کی طرف روانہ ہو گئے۔ قبیلے کے بعض افراد کا خیال تھا کہ ایسا کرنا کچھ اِتنا ضروری نہ تھا۔ قافلے کے محافظ بھی جان گئے تھے کہ جب سے اِن لوگوں نے توبہ کی ہے تب سے کنعان کے لوگوں پر اِن کی عجیب سی ہیبت طاری ہو چکی ہے۔ اِسی لئے اُنہیں یقین تھا کہ اب وہ اُن کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔

بَیل گاڑی میں حضرت یوسف بھی اپنی ماں کے ساتھ سوار تھے۔ اُن کے ننھے سے ذہن میں بہت سے سوال اُبھر رہے تھے۔ وہ بار بار اپنی ماں سے پوچھتے، "ماں! ہم دادا سے ملنے حبرون کب جائیں گے؟ آپ دادا جان کو جانتی ہیں نا؟"

راخل نے نفی میں سر ہلایا، "نہیں۔ مَیں اُنہیں نہیں جانتی۔ لیکن اِتنا جانتی ہوں کہ ہم جلد ہی اُن کے پاس جائیں گے۔ اب تو وہ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔ تمہارے بابا تو اُنہیں ملنے کے لئے بیس برس سے تڑپ رہے ہیں۔" حضرت یوسف پھر اپنی ماں سے لپٹ گئے۔

آخرکار منزلیں طے کرتا، راستے کی مشکلات برداشت کرتا، چڑھتے سورج اور ڈھلتی شاموں کے حسین مناظر کی مسافتیں سمیٹتا وہ کارواں

بیت ایل آ پہنچا۔ شدتِ جذبات سے حضرت یعقوب کے آنسو نکل پڑے۔ اُنہوں نے اپنے بیٹے یوسف کو وہ پتھر دکھایا جسے اُنہوں نے بیس برس پہلے ایک رات تکیے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اُنہوں نے اِقرار کرتے ہوئے فرمایا، "جب مَیں حاران کی طرف بھاگ رہا تھا تو بہت اُداس تھا۔ بالکل تنہا، بےکس، بے سہارا۔ اوپر سے میرا بھائی عیسو میرے خون کا پیاسا تھا۔ وہ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اِس کے علاوہ مَیں اپنے بوڑھے اندھے باپ کو نہایت دُکھی اور مایوس چھوڑ کر آیا تھا، کیونکہ مَیں نے اُس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ مَیں نے بُری طرح سے اپنے باپ کا دِل توڑا تھا۔ لیکن جانتے ہو اِس بے چارگی کے عالَم میں پہلی بار اللہ مجھ پر ظاہر ہوا۔"

اِس ذکر کے ساتھ ہی اُن کی آواز میں ایک پُرمسرت کھنک سی آ گئی۔ وہ اِس پتھر کے پاس ادب سے بیٹھ گئے اور حضرت یوسف سے بولے، "یہاں، بالکل اِسی جگہ ایک سیڑھی بن گئی تھی جو سیدھی آسمان تک جاتی تھی۔ اور اُس سیڑھی پر جانتے ہو یوسف، فرشتے اُترتے چڑھتے تھے۔ اُس وقت اللہ نے مجھے یقین دلایا کہ "مَیں تجھے

برکت دوں گا۔ تیرے ساتھ رہوں گا اور تجھے صحیح سلامت واپس گھر لاؤں گا۔ مَیں تجھ سے ایک قوم پیدا کروں گا اور تُو سب قوموں کے لئے برکت کا باعث ہو گا۔"

حضرت یعقوب کے بڑے بیٹے بھی کھڑے یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ لیکن اُن کے چہرے ہر قسم کے جذبات اور تاثرات سے عاری تھے جبکہ حضرت یوسف گھٹنوں کے بل ہو کر غور سے اِس جگہ کو دیکھ رہے تھے۔ پھر اُنہوں نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے پوچھا، "بابا! کیا خدا کی آواز بہت ہی پیاری ہے؟ اگر اللہ مجھے کچھ کرنے کو کہے گا تو مَیں ضرور کروں گا۔"

حضرت یعقوب مسکرا دیئے، "میرے بچے! یہی صحیح جذبہ ہے۔ ایک وقت تھا کہ مَیں جانتا تک نہ تھا کہ اللہ کی محبت کتنی عظیم چیز ہے۔ اگر خدا تمہارے ساتھ ہے تو تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ جب مَیں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ مَیں اپنی تمام تر ملکیت کا دسواں حصہ اُسے دوں گا تو مَیں اپنے آپ کو بہت بڑا سخی سمجھتا تھا۔" اِس خیال کے آتے ہی حضرت یعقوب نے طنزیہ قہقہہ لگایا۔ "لیکن اللہ تو اِنسان کا سب کچھ

چاہتا ہے۔ اُس کا پورا وجود چاہتا ہے۔ اُس کا جسم، اُس کی جان، اُس کی روح، سب کچھ۔"

پھر اُنہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق وہاں ایک مذبح بنانا شروع کیا۔ حضرت یوسف اپنے باپ کو اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے دیکھتے رہے۔ اُس خدا کے حکم کی جس نے مصیبت میں اُن کی مدد کی تھی۔ اُس خدا کے حکم کی جو ہر جگہ جہاں کہیں حضرت یعقوب گئے اُن کے ساتھ رہا۔ اُنہوں نے مل کر اللہ کی پرستش کی۔

حضرت یوسف کے دل پر اِس واقعے کا گہرا اثر ہوا۔ خاص طور پر اِس لئے کہ اللہ نے ایک بار پھر باپ سے ہم کلام ہو کر اُن کے ساتھ اپنے عہد کو نئے سرے سے باندھا ہے۔

بیت ایل میں قافلے کا پڑاؤ بڑا پُرسکون اور فرحت بخش رہا۔ وہاں حضرت یعقوب کی دیرینہ خواہش کی تکمیل ہوئی۔ یوسف کے دل میں باپ کے ایمان کے حیرت انگیز تجربات دیکھ کر زندہ خدا سے محبت اُبھر آئی۔

سب اہلِ قافلہ مسرور اور مطمئن تھے کہ اچانک ماتم اور آہ و بکا کی درد ناک آوازوں سے فضا کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ دبورہ چل بسی تھی۔ اُس کی موت کے بعد سب کو محسوس ہوا کہ اُس نے پورے گھرانے میں کتنا مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ عورتیں اپنے بال نوچ کر اور سینہ کوبی کر کے بین کرنے لگیں، "اے بہن دبورہ! تم کہاں چلی گئیں! دیکھو تو تمہارا خیمہ کتنا خالی خالی لگ رہا ہے۔ ہائے ہائے! تمہاری پیار بھری آواز اب کبھی بھی ڈیرے میں سنائی نہیں دے گی۔"

سب سے زیادہ صدمہ حضرت یوسف کو ہوا جنہیں دبورہ سے بہت پیار تھا۔ وہ بُڑھیا تو اُن کی خاص دوست رہی تھی۔ وہ اپنے دل کی ساری باتیں اُس سے کہہ لیتے تھے۔ کیا کیا قصے نہ سنے تھے اُنہوں نے دبورہ سے۔ اُن کی سسکیاں صاف سنائی دیں جبکہ حضرت یعقوب کی کیفیت اَور بھی سنگین تھی۔ دبورہ اُن کی بھی دایہ رہی تھی جس نے اُنہیں ماں کا پیار دیا تھا۔ وہ بیٹے کی طرح اُس کا اِحترام کرتے تھے۔ اُس کی نیکیاں یاد کر کر کے اُن کا دل خون کے آنسو روتا رہا۔ ایسے میں اچانک اُنہیں اپنے بوڑھے باپ کا خیال آیا۔ "کہیں خدا نہ کرے ... اُف

میرے خدا ... میرا بابا بھی تو اِتنا ہی بوڑھا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ملاقات سے پہلے ہی وہ بھی اِس جہان سے رُخصت ہو جائے۔"

لہٰذا جوں ہی ماتم کے دن پورے ہوئے تو اُنہوں نے فوراً حبرون کی طرف کوچ کرنے پر زور دیا۔ بڑے پُرسکون سفر کے دوران اب قافلہ اُس پہاڑی پر چڑھنے لگا جس پر بیت لحم کا قدیم قصبہ واقع تھا۔ اُس مقدّس سرزمین پر چلتے ہوئے اُن کی خوشی کی اِنتہا نہ تھی کہ اچانک قافلے کو رُک جانے کو کہا گیا۔ لیاہ پریشانی کے عالَم میں چلّانے لگی کہ کسی دایہ کا اِنتظام کیا جائے، راخل دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ لیاہ سے اپنی بہن کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ بے بسی اور بے چینی کے عالَم میں اُس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں تھے، کیونکہ حضرت یوسف کی پیدائش کے وقت بھی بہت مشکل پیش آئی تھی۔ لہٰذا اُنہیں راخل کی جان کی فکر تھی۔

حضرت یعقوب نے معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے فوراً خیمہ لگوایا۔ اِتنے دلیر اور شیر دل ہونے کے باوجود وہ اپنی بیوی کی تکلیف کے خیال سے کانپ اُٹھے۔ راخل کی چیخیں دلوں کو چیرے ڈالتی رہیں۔

حضرت یوسف خوف سے سہمے ہوئے اپنے باپ سے چمٹے رہے۔ اُنہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، "بابا! کیا دبورہ کی طرح ماں بھی چل بسے گی؟ خالہ لیاہ اور دوسری عورتیں بہت پریشان ہیں۔ لگتا ہے ماں کی حالت کافی خراب ہے۔"

باپ بیٹا بڑی بے بسی سے خیمے کی طرف دیکھتے رہے۔ اچانک لیاہ نکل آئی۔ اُس نے اُنہیں آنے کا اشارہ کیا۔ لیکن اِس سے پہلے کہ وہ خیمے میں پہنچتے آہ و بکا اور چیخ پکار کا ایسا شور اُٹھا کہ سب کے دل دہل گئے۔ لیاہ کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔ اُس نے حضرت یعقوب کے ہاتھوں میں کپڑے میں لپٹا بچہ تھماتے ہوئے کہا، "سرتاج! لیجئے آپ کا بیٹا! راخل نے اِس کا نام بِن اونی رکھا تھا یعنی میری مصیبت کا بیٹا۔"

حضرت یعقوب نے اپنی چہیتی بیوی کے اَن مول تحفے کو سینے سے لگا لیا اور پیار بھرے جذبات سے مغلوب ہو کر پکار اُٹھے، "نہیں نہیں، اِس کا نام بن یمین ہو گا یعنی دہنے ہاتھ یا خوش قسمتی کا بیٹا۔"

پھر حضرت یعقوب نے ننھے بن یمین کو یوسف کی بانہوں میں دیا اور ہچکیاں لیتے ہوئے کہا، "اِس کا دھیان رکھنا۔ یہ تمہارا اپنا اور بڑا قیمتی بھائی ہے۔"

تب خوب صورت، جواں سال راخل کو دفنایا گیا۔ ماں کی میت کو دیکھ کر حضرت یوسف کو محسوس ہوا کہ میری دُنیا بکھر کر رہ گئی ہے۔ ماں خاندان کی سالمیت کی ضامن ہوتی ہے۔ اُس کے مٹتے ہی زندگی کے تمام نظام درہم برہم ہو جاتے ہیں اور خوب صورت رنگ بکھر کر حیات کو بے لطف کر دیتے ہیں۔ ہر طرف کہرام مچ گیا۔ حضرت یوسف کے حساس ذہن پر یہ بات نقش ہوئی کہ جوان ہو یا بوڑھا سب کو ایک نہ ایک دن اِس دُنیا سے رُخصت ہونا ہے۔ میرے پردادا ابراہیم قصداً خیموں میں رہتے تھے تاکہ یہ بات نہ بھولی جائے کہ اصل گھر آسمان پر اللہ کے ساتھ ہے۔ دادا اسحاق اور باپ یعقوب بھی خیموں ہی میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ خیمے اُن کے مستقل گھر نہیں ہیں۔ آخر یہ زندگی ہے کیا ؟ ایک نہایت باطل چیز۔

جدائی کا صدمہ کتنا شدید ہوتا ہے! حضرت یوسف کو اپنی ماں کی قبر کو تنہا چھوڑ کر آنا پڑا، اُس جگہ کو جہاں اُن کی عزیز ترین ہستی کی باقیات دفن تھیں۔ اب اُن کی ماں راخل اُن کی زندگی سے بالکل جا چکی تھی۔ کتنی تلخ حقیقت ہے یہ موت بھی! نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے جس کا اِنسان میں حوصلہ تک نہیں ہوتا۔

اب حضرت یوسف کی زندگی کا مرکز و محور اُن کی خالہ لیاہ بن گئی جو ماں کی جگہ لینے کی پوری کوشش کرتی رہی۔ اور اب حضرت یوسف اپنا سارا پیار اپنے گول مٹول سے بھیا بن یمین پر نچھاور کرنے لگے۔ تو بھی اُن کے دل میں ابھی تک ایک خلا سا رہا، اِس لئے وہ ہمیشہ اللہ کو جاننے کے متلاشی رہے۔ اُن کے بابا بڑی خوشی سے اللہ سے متعلق اپنے تجربات کے بارے میں اپنے بیٹے کو بتاتے رہے۔ اِس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باپ بیٹا ایک دوسرے کے بہت ہی قریب ہوتے گئے۔

آخر وہ دن بھی آ پہنچا جس کا مدت سے سب کو اِنتظار تھا۔ وہ دن جو حضرت یعقوب کی حسرتوں کی تکمیل کا دن تھا۔ وہ دن جو حضرت یوسف

کے خوابوں کی تعبیر کا دن تھا۔ وہ دن جو بچھڑے ہوئے باپ بیٹوں کی ملاقات کا دن تھا۔ ہاں، وہ عظیم دن جب قافلہ آخرکار اپنے آبائی علاقے حبرون کی سرزمین میں داخل ہوا۔ اُن کا بڑی گرم جوشی سے اِستقبال کیا گیا۔ لوگوں نے حضرت یعقوب کو بتایا، "تمہارا باپ بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ تو کب کا مر چکا ہوتا، لیکن اِس دن کی آرزو نے اُسے ابھی تک زندہ رکھا ہے۔"

حضرت یعقوب اپنے بچھڑے باپ کے خیمے میں تنہا گئے، بالکل اُسی طرح جیسے عرصہ پہلے وہ اُس میں داخل ہوئے تھے۔ پھر گھٹنوں کے بل گر کر گڑگڑائے اور روئے، "بابا! مجھے معاف کر دو، بابا! مَیں خود غرضی میں اَندھا ہو گیا تھا۔ مَیں نے تمہیں دھوکا دیا۔ ایک اندھے باپ کو دھوکا دیا۔ اُسے یہ یقین دلا دیا کہ مَیں یعقوب نہیں عیسو ہوں۔ مَیں ہر قیمت پر پہلوٹھے کی برکت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مَیں جانتا تھا کہ مَیں اِس کا حق دار نہیں ہوں اِس لئے یہ ناجائز طریقہ اِختیار کیا۔ لیکن اللہ نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔ مَیں تمہارا گنہگار ہوں بابا۔ مجھے معاف کر دو۔"

حضرت اسحاق نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کے آنسو پونچھ ڈالے۔ اُن کی حساس اُنگلیاں اُن کے چہرے کے خطوط کو چھونے لگیں۔ بصارت سے محروم آنکھوں کی بینائی لاغر ہاتھوں کی اُنگلیوں میں اُتر آئی تھی۔ اُنہوں نے پہچان لیا کہ یہ وہی کھویا ہوا بیٹا یعقوب ہے جو بیس برس پہلے بچھڑنے کے بعد مجھے آج مل گیا ہے۔ خدا نے مجھے وہ بیٹا لوٹا دیا ہے جسے خود قادرِ مطلق نے برکت دی ہے۔ باپ کانپتی ہوئی مگر خوشی آمیز آواز میں بولے، "اُٹھو بیٹا اورسکون سے بیٹھ جاؤ۔ مجھے بتاؤ کہ اللہ نے تمہیں کیسے ڈھونڈ نکالا ؟"

حضرت اسحاق کتنے خوش تھے کہ آخرکار وہ بیٹا واپس مل گیا ہے جو میرا سا ایمان رکھتا ہے۔ کیونکہ بڑے بیٹے عیسو کو اللہ کا بالکل خیال نہیں رہا تھا۔

دونوں باپ بیٹا اپنی باتوں میں اِتنے محو ہو گئے کہ اُنہیں پتہ نہ چلا جب حضرت یوسف خیمے میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے باپ اور دادا کی باتیں بڑے غور سے سننے لگے۔

"حاران سے واپسی پر جب ہم دریائے یبوق پر پہنچے تو میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ عیسو ہم سب کو ہلاک کر ڈالے گا۔ میرے محافظوں کو علم ہو گیا تھا کہ وہ چار سو سپاہیوں کے ساتھ پہلے ہی گھر سے روانہ ہو چکا ہے۔ عیسو سے ملنے سے پہلے مجھے اللہ کے حضور آنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی، تاکہ اپنے ماضی کے غلط طور طریقوں سے توبہ کر کے رب سے اپنا رِشتہ اُستوار کروں۔ بابا! یقین مانئے، میرا جی چاہتا تھا کہ مَیں بالکل اکیلا ہو جاؤں۔ پس مَیں نے سب لوگوں حتیٰ کہ اپنے خاندان کو بھی یبوق پار کروا دیا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ اِس جگہ پر دریا کے پانی کا اِتنا شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اِس سے مَیں کچھ گھبرا سا گیا۔ پھر مَیں نے پکار کر اللہ سے کہا، 'اے خدا! اے خدا! مَیں حاضر ہوں۔ تُو جیسا سلوک مجھ سے کرنا چاہتا ہے کر لے۔'

اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص مجھے گریبان سے پکڑ رہا ہے۔ میرے لئے اِس کے سوا اَور کوئی چارہ نہ تھا کہ مَیں بھی اُس کے ساتھ گُتھ جاتا۔ میرا حریف مجھے مار ڈالنے کے درپے تھا۔ جب لڑائی خطرناک

حد تک بڑھنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ مَیں تو رب کے فرشتے سے کُشتی لڑ رہا ہوں۔ پھر مَیں جان گیا کہ اَب مجھے اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑنا ہو گا۔ خدا چاہتا ہے کہ یا تو مَیں پوری طرح سے خود کو اُس کے سپرد کر دوں یا پھر بالکل چھوڑ دوں۔ وہ مجھے بدلنا چاہتا ہے۔ بابا! مَیں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ جب یہ لڑائی گھنٹوں جاری رہی تو مجھ پر کیا گزر رہی تھی۔ مَیں تو صرف اِتنا جانتا تھا کہ مجھے اُس کو جانے نہیں دینا۔ مَیں اُسے تھامے رہنا چاہتا تھا۔ جب صبح ہونے لگی تو اُس نے میری ران پر مارا جس سے میرا پٹھا کھچ گیا۔ اَب مَیں اُس سے اَور زیادہ چمٹ گیا۔ جب اُس نے کہا، 'مجھے جانے دے' تو مَیں نے اپنے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اُس کی منت کی، 'مَیں تجھے اُس وقت تک نہیں جانے دوں گا جب تک تُو مجھے برکت نہیں دے گا۔' بابا! پھر ... پھر اُس نے مجھے برکت دی، لیکن اِس سے پہلے اُس نے مجھ سے میرا نام پوچھا۔ مَیں نے بڑی شرم ساری سے اُسے بتایا 'یعقوب' (ایڑی پکڑنے والا)۔ لیکن اُس نے بڑی پیار بھری آواز میں مجھ سے کہا، اب

سے تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل یعنی 'وہ اللہ سے لڑتا ہے' ہو گا۔ کیونکہ تُو اللہ اور آدمیوں کے ساتھ لڑ کر غالب آیا ہے۔"

حضرت اسحاق کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ "ٹھیک ہے۔ اللہ نے تمہیں ڈھونڈ نکالا۔ تم بالکل بدل گئے ہو۔ کاش تمہاری ماں یہ سب کچھ سننے کے لئے آج زندہ ہوتی!"

حضرت یعقوب کو یوں لگا جیسے اُن کے بوڑھے باپ کی زندگی کا مقصد پورا ہوگیا ہو۔ جوں ہی اُنہوں نے بات ختم کی حضرت اسحاق نے بڑے اِطمینان سے دَم دے دیا۔ عیسو اور یعقوب نے اُنہیں حضرت ابراہیم، سارہ اور رِبقہ کی قبروں کے پاس ہی دفنا دیا۔ اگرچہ دونوں بھائی بڑے چین و آرام کے ساتھ رہتے تھے، لیکن اُن میں کوئی باہمی دل چسپی نہ تھی۔ حضرت یعقوب نے اپنی زندگی اللہ کی راہ پر ڈال رکھی تھی جبکہ عیسو ادوم میں اپنی جائیداد بنانے میں مگن رہا۔ اُسے اپنے بھائی پر ترس آتا تھا جس کی سب سے بڑی خواہش خدا کی راہ پر چلنا تھا۔ آخر اِس سے یعقوب کو کیا ملا؟ اور اگر اُس کو اندازہ ہوتا کہ حضرت یعقوب کی زندگی میں کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے تو وہ اَور بھی حیران ہوتا۔

حملہ

دس برس تک وادیِ حبرون میں حضرت یعقوب کی خیمہ بستی پھلتی پھولتی رہی۔ اُن کو اب اپنے بُڑھاپے کا اِحساس ہو چلا تھا۔ اِس لئے اب وہ اپنے ریوڑوں کو چرانے کے لئے گرد و نواح کے علاقے میں اپنے بیٹوں کو ہی بھیج دیا کرتے تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اُن کے خیالات اکثر ماضی کی طرف بھٹکتے رہتے تھے۔ لیاہ حاران میں گزارے ہوئے دنوں اور موجودہ زمانے کے درمیان ایک کڑی تھی۔ جتنا ماضی کی حضرت یعقوب کو یاد آتی، اُتنا ہی وہ لیاہ کے قریب تر ہوتے جاتے تھے۔

حضرت یوسف اور بن یمین کی دیکھ بھال کرنے سے لیاہ کو بہت سکون ملتا تھا۔ اب اُس کے اپنے بیٹوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ وہ اپنے پوتے پوتیوں کو دیکھ دیکھ کر اِنتہائی خوش ہوتی تھی۔ آسودگی کا احساس اُسے مطمئن رکھتا تھا۔

لیکن افسوس کہ ایک دن لیاہ کی تمام خوشیاں بکھر کر رہ گئیں۔ بے چاری رُوبن کی بیوی اُس کے خیمے میں طوفان کی طرح آ دھمکی۔ "وہ اِنسان نہیں وحشی ہے۔ کل رات رُوبن سردار کی حرم بلہاہ سے ہم بستر ہوا ہے۔ مجھے تو اُس نے ڈیرے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آخر سردار سنیں گے تو کیا بنے گا ؟"

لیاہ نے اپنی آواز پر قابو پانے کے لئے سانس روک لیا اور رُندھے ہوئے گلے سے بولی، "وہ اُسے ضرور سزا دے کر پہلوٹھے کی برکت اور دولت سے محروم کر دیں گے۔"

اور پھر جیسے الفاظ زبردستی اُس کے ہونٹوں سے پھسل پڑے، "میرا پہلوٹھا رُوبن نہیں بلکہ راخل کا پہلوٹھا یوسف اب اِس قبیلے کا سردار بنے گا۔"

بے چاری نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس کی سسکیاں فضا میں اُبھرنے لگیں، اور وہ اپنی قسمت کو کوستی رہی، "اُف خدایا! میری بھی کیا قسمت پھوٹی ہے۔ ذرا سنو تو اُدھر شمعون کی بیوی چلّا رہی ہے اور اپنے شوہر کا غصہ بے چارے بچوں پر اُتار رہی ہے۔"

لیاہ نے اپنی چادر سے اپنے آنسو پونچھے۔ اُس کا سانس ابھی تک پھولا ہوا تھا۔ اُس نے بڑی بے چارگی سے تسلیم کرتے ہوئے کہا، "راخل کے بچوں کو دیکھو۔ وہ دوسروں سے کتنے مختلف ہیں۔ مجھے تو وہ بہت پیارے لگتے ہیں۔ یوسف ایک اچھا سردار بنے گا۔ اللہ اُسے برکت دے۔"

لیاہ کو حضرت یوسف کی صلاحیتوں پر ماں کا سا ناز تھا۔ اُس نے بات جاری رکھی، "اِس لڑکے کو سارہ، ربقہ اور راخل کا حُسن وِرثے میں ملا ہے اور اِس کا مضبوط و خوب صورت بدن دیکھ دیکھ کر اِس کے بھائی جل جاتے ہیں۔ پتا ہے، وہ کتنا ذہین ہے اور اپنے باپ دادا کے خدا سے پیار بھی کرتا ہے۔"

اِتنا کہہ کر لیاہ رُک گئی اور سوچنے لگی کہ آگے بات کرنی چاہئے کہ نہیں۔ آخرکار وہ پھٹ پڑی، "لیکن یوسف اور بن یمین بھی بگڑنے لگے ہیں۔ وہی غلطی جو بچوں کے دادا دادی سے ہوئی تھی اَب اُن کے باپ سے ہو رہی ہے۔ حضرت اسحاق کو عیسو سے محبت تھی جبکہ رِبقہ حضرت یعقوب کو چاہتی تھی۔ اِسی کے باعث اُس گھرانے میں زبردست نفاق پڑ گیا تھا۔ اور اب یہی کچھ ہمارے گھر میں ہو رہا ہے۔"

رُوبن کی بیوی کی آواز اَب قدرے مدھم ہوگئی تھی۔ وہ بڑی راز داری سے لیاہ سے کہنے لگی، "یوسف کے بھائی اُس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ میری بات یاد رکھنا، ایک نہ ایک دن بھائی اُسے ضرور جان سے مار ڈالیں گے۔ جب کبھی یوسف اُن کے ساتھ مویشی چرانے جاتا ہے تو جو کچھ وہ آپس میں کرتے ہیں وہ سب باتیں اپنے باپ کو بتا دیتا ہے۔ ظاہر ہے کوئی اچھا کام تو وہ لوگ کرتے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہ یوسف سے اَور زیادہ نفرت کرنے لگے ہیں۔"

لیاہ بہت محنتی عورت تھی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی۔ اِس وقت بھی اِتنا کچھ ہو جانے کے باوجود اُس سے مزید فارغ نہیں بیٹھا جا رہا

تھا۔ وہ اُٹھی اور چرخہ کاتنے لگ گئی۔ ”ایک اَور بات بڑی عجیب ہے۔ یوسف خواب کی تعبیر بالکل صحیح بتاتا ہے۔“

اَبھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اُس کی نظر دُور آتے ہوئے حضرت یعقوب پر پڑی۔ اُس نے شُشکارتے ہوئے کہا، ”ذرا دھیان سے! رُوبن کے والد آرہے ہیں۔ بہت غصے میں لگتے ہیں۔ غالباً اُنہیں اِس شرم ناک واقعے کی اِطلاع مل چکی ہے۔ بے چارے! آج تو چال میں پہلے سے بھی زیادہ لنگڑاہٹ ہے۔ دیکھو اَب تم یہاں سے چلی ہی جاؤ۔ مَیں نہیں چاہتی کہ وہ ہم دونوں کو یوں اکٹھا پائیں۔“

لیاہ کی بہو آنکھ بچا کر وہاں سے کِھسک گئی اور اِتنے میں سردار یعقوب خیمے میں داخل ہوئے۔ مشکل سے بیٹھتے ہوئے اُنہوں نے بڑے غصے سے کہا، ”مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یوسف کے لئے ایک چوغہ بنواؤں جس پر مہنگی کڑھائی کروائی جائے گی جیسے امیر لوگوں کا لباس ہوتا ہے۔ مَیں اب زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ کام کرے۔ اُن کی صحبت اُس کے حق میں اچھی نہیں ہے۔“

لیاہ کے ہاتھ بڑی مہارت سے چل رہے تھے۔ آخر اُس نے نیم دلی سے کہہ دیا، "ہاں، ہاں" مگر دل میں سوچنے لگی، "یہ لباس اِس بات کا کھلا اِعلان ہو گا کہ یوسف اصل وارث ہے۔" اِس خیال سے لیاہ کا دل کانپنے لگا۔ بھائی یہ سب کچھ کیسے برداشت کریں گے؟ اُس نے گڑگڑا کر دل ہی دل میں منت کی، "اے رب! ہمیں کسی اَور مصیبت سے محفوظ رکھنا۔"

بن یمین اُچھلتا کودتا ہوا خیمے کے پاس سے گزرا۔ اپنے شوہر کی توجہ موضوع سے ہٹانے کی غرض سے لیاہ نے اُسے پکارا "میرے چاند! اِدھر آ۔ ذرا بنسری کی دُھن تو سنا۔"

ننھا بن یمین فوراً مان گیا اور باپ کے قدموں میں بیٹھ کر بنسری پر سُریلی دُھن چھیڑ دی۔ اُس کی گول مٹول آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ جب وہ بنسری بجا چُکا تو بڑے اِشتیاق سے اپنے باپ سے پوچھنے لگا، "بابا! مَیں بھی ماں کی طرح اچھی بنسری بجا لیتا ہوں نا؟ بتاؤ بابا! ماں بہت خوب صورت اور خوش مزاج تھی نا؟ یوسف بھائی نے مجھے بتایا

ہے اور وہ ... وہ کہتے ہیں کہ ماں کے بھائیوں نے اُسے فلاخن چلانا بھی سکھایا تھا۔"

لیاہ نے ہاں میں سر ہلایا، "ہاں بیٹے! یہ سب کچھ سچ ہے۔ تمہاری ماں کو کبھی بھی اچھا کھانا پکانا نہ آیا، لیکن وہ بھیڑوں کی دیکھ بھال بہت اچھی کر لیا کرتی تھی۔"

راخل کی خوب صورتی اُس کے باپ کے لئے ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اِس طرح بڑی بہن کو ہمیشہ نظرانداز کر دیا جاتا تھا۔ لیاہ نے اللہ کا شکر کیا کہ اب اُس کا زخم بھر چکا ہے۔ اُس نے سرد آہ بھری جب اُسے یاد آیا کہ نوجوانی کے ایام میں اِسی معاملے نے اُس کی زندگی کو کتنا اجیرن بنا رکھا تھا۔

بن یمین نے بڑی بے چینی سے اپنے باپ کے قدموں کو تھام لیا اور بولا، "یوسف بھائی یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہمارے پردادا ابراہیم نے بڑا ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ اور جب وہ اُس کی تعبیر کے بارے میں سوچ رہے تھے تو اللہ نے اُنہیں بتایا کہ اُن کے لوگ اجنبی سرزمین میں 400 برس تک غلامی کی زندگی گزاریں گے۔ اِس

دوران میں خدا اُسی جگہ اُنہیں ایک بڑی قوم بنائے گا اور پھر اُنہیں اپنے وطن واپس لے آئے گا۔"

پھر وہ اچانک اُچھل پڑا۔ اُسے یوں لگا جیسے اُس کا باپ اُس کی بات نہیں سن رہا۔ اُس نے اپنے والد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا، "کیا ہم اجنبی ملک میں جائیں گے اور دوسرے لوگ بھی جیسے رُوبن کے بچے جب یہ سب بڑے ہو جائیں گے؟ بابا! وہ ملک کون سا ہو گا؟ مصر ہو گا کیا؟"

جوں ہی اُس نے رُوبن کا نام لیا حضرت یعقوب کا چہرہ ایک دم سُرخ ہو گیا۔ رُوبن کا خیمہ اُن کے خیمے کے دروازے سے صاف نظر آ رہا تھا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ بہت سی عورتیں کھُسر پھُسر کرنے کے لئے اندر داخل ہو رہی ہیں تو اُنہوں نے بچے کو ہلکا سا تھپتھپاتے ہوئے کہا، "اچھا! اب جاؤ اور کھیلو کودو۔ اِس کے بارے میں پھر کبھی بات کریں گے۔ ہاں، ذرا یوسف کو تو بلا کے لاؤ۔ رنگ دار لباس بنانے کے لئے لیاہ اُس کا ناپ لے گی۔"

بن یمین خوشی سے ناچنے لگا، "یوسف بھائی کو رنگ دار لباس بہت اچھا لگے گا۔ بابا! بھیا کی تو بڑی پیاری سی ڈاڑھی بھی نکل رہی ہے۔ پتا ہے جب مَیں جوان ہو جاؤں گا تو میری ڈاڑھی بھی نکل آئے گی۔"

لیاہ نے حضرت یوسف کے لئے نہایت خوب صورت لباس بنایا جس پر امیرانہ انداز میں بیل بُوٹے کڑھے تھے۔ جوں ہی حضرت یوسف نے اُسے پہنا اُن کی خوب صورتی کو چار چاند لگ گئے۔ اُن کے بھائی تو پہلے ہی اُن کے دشمن ہو رہے تھے۔ جب یوسف کو اِس اِمتیازی لباس میں دیکھا تو وہ جل بھن گئے۔ اب تو اُن کا سامنے آنا بھی بھائیوں کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ رُوبن نے تو نفرت سے یہاں تک کہہ دیا کہ "پہلوٹھا مَیں ہوں۔ اصولاً یہ لباس پہننا میرا حق بنتا ہے، کیونکہ وارث مَیں ہوں جبکہ تم ... تم چور ہو۔"

حضرت یوسف احتجاجاً کہنے لگے، "ایسی گھٹیا بات مت کرو۔ یہ لباس تو مجھے بابا کی طرف سے ملا ہے۔"

تو بھی اِس لباس میں حضرت یوسف خود کو اپنے بڑے بھائیوں سے برتر سمجھنے لگے۔ جب وہ اپنے بھائیوں کو موٹے کھردرے کپڑے پہنے دیکھتے

جو اُن کی جفاکشی کے لئے موزوں تھے تو اُنہیں خوشی ہوتی تھی۔ ویسے بھی وہ اپنے باپ کی آنکھ کا تارا تھے۔

حضرت یوسف کے اِس رویے نے بھائیوں کی نفرت اور ناراضی کو بھڑکانے میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔ دان غراتے ہوئے کہنے لگا، "اچھا تو اب دماغ آسمان پر ہے شہزادے کا! تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟ تم ہی نے چند روز پہلے ہمیں اپنا شاندار خواب سنایا تھا نا؟ تم نے ہمیں صاف صاف یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ایک دن تم ہم سب پر حکومت کروگے۔ ایسا ہی ہے نا؟"

آشر نے بڑے بھونڈے انداز میں حضرت یوسف کی نقل اُتارتے ہوئے اُن کے الفاظ دُہرائے، "سنو! مَیں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ہم سب گندم کے کھیت میں پُولے باندھ رہے ہیں۔ اِتنے میں جانتے ہو کیا ہوا؟ میرا پُولا اُٹھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا اور تمہارے پُولوں نے میرے پُولے کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اُسے سجدہ کیا۔"

جد غصے سے چلّایا، "اوئے! یہ خیال دل سے نکال دو کہ ہم کبھی تمہارے سامنے جھکیں گے۔" پھر اُس نے حضرت یوسف کے پیروں

پرتھوکتے ہوئے کہا، ”تمہارے یہ خواب تمہارے غرور کی پیداوار ہیں۔ بدمعاش! تمہاری اِس جرأت اور بے باکی سے مجھے شدید نفرت ہے۔“

زبولون نے حضرت یوسف کے ماتھے کو بڑے طنز سے چھوتے ہوئے کہا، ”تو تم باپ کی نقل کرنا چاہتے ہو! اُنہوں نے بھی ایک دفعہ خواب دیکھا تھا۔ ظاہر ہے تمہیں زیادہ خواب دیکھنے چاہئیں۔“ پھر زور دار قہقہہ لگایا۔ ”حیرت ہے! ہر خواب سے تو بس ایک ہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ تم ہم پر حکومت کرو گے۔ حاکم ہو ہمارے کیا؟ اور دوسرا خواب سنو! اُس میں تو ہمارے ماں باپ بھی عالی جاہ یوسف کے سامنے جھکتے نظر آتے ہیں۔“

کرخت لہجے میں وہ نوعمر یوسف کے سامنے اونچی آواز میں کہنے لگا، ”میرے بھائیو! مَیں نے ایک اَور خواب دیکھا ہے جس میں سورج، چاند اور گیارہ ستارے میرے آگے جھک رہے تھے۔“

زبولون نے حضرت یوسف کے گال پر طمانچہ مارنے کے لئے ابھی ہاتھ اُٹھایا ہی تھا کہ حضرت یعقوب کی گرج دار آواز سنائی دی، ”کچھ

شرم کرو، حاسد بچوں کی سی حرکتیں کرتے ہو! مرد ہو تو اپنی مردانگی ثابت کرو۔"

پھر حضرت یعقوب نے رُوبن کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور اُن سب کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ "پرسوں تم ریوڑ کو ہری بھری چراگاہوں میں لے جاؤ جو تمہیں سِکم کے نواح میں ملیں گی۔ مَیں بوڑھے انوس اور اُس کی بیوی عدہ کو تمہاری دیکھ بھال کے لئے تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ تمہیں اِس طویل سفر کے لئے کافی تیاری کرنی ہو گی۔ اور ہاں جب سکم کے قریب پڑاؤ ڈالو تو ذرا ہوشیار رہنا، ممکن ہے 10 سال گزرنے کے بعد بھی وہ لوگ تمہیں نہ بھولے ہوں۔"

سکم کی یاد آتے ہی اُن کے دل پر چوٹ لگی اور سب کے منہ بند ہو گئے۔ حضرت یعقوب کو اُن پر ترس آ رہا تھا۔ وہ بڑے خطرناک علاقے میں جا رہے تھے۔ اُن کی تسلی کے لئے وہ کہنے لگے، "لیاہ بَیل گاڑی میں کھانے پینے کا سامان، برتن اور دوسری ضروری چیزیں لادنے میں عدہ کی مدد کر دے گی۔ اُس نے اُسے سب کچھ بہت اچھی طرح سِکھا رکھا ہے۔ وہ تمہیں مزے دار کھانا پکا کر کھلایا کرے گی۔"

جب بھائی اپنے باپ کے ساتھ بحث میں پڑ گئے تو حضرت یوسف نے موقعے کو غنیمت جانا اور وہاں سے چپکے سے کھسک گئے۔ اُن کا دِل بُری طرح گھائل تھا اور حسبِ معمول وہ شدید مایوسی اور تنہائی کا شکار تھے۔ یہ تمام حالات اُنہیں اللہ کے اَور قریب لے جانے کا باعث بن رہے تھے۔ کھلے میدان میں جا کر وہ منہ کے بل زمین پر گر گئے اور اپنی تمام تر مایوسی اور اکیلے پن کو رب کے حضور اُنڈیل دیا۔ کافی دیر تک وہ اپنے باپ دادا کے رب کے حضور جھکے رہے جو محبت، رحم اور وفاداری کا سرچشمہ ہے۔ حضرت یوسف نے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مَیں کسی قیمت پر بھی اپنے بھائیوں کے نقشِ قدم پر نہیں چلوں گا۔ اللہ کے قریب تر رہنے کے لئے مجھے اپنے باپ کی پیروی کرنا ہے۔ اُنہوں نے گڑگڑاتے ہوئے دعا کی، "اے رب! مجھے توفیق دے کہ مَیں تیری مرضی کے مطابق اور تیری قربت میں زندگی گزاروں۔"

پھر بھائیوں کا غصہ روبن پر اُترنے لگا۔ جوں ہی اُن کا باپ نظروں سے اوجھل ہوا لاوی اُس پر برس پڑا، "اوئے، صرف تیری وجہ سے

ہمیں یہاں سے اِتنی جلدی جانا پڑ رہا ہے۔ بابا تیرے وجود کو برداشت نہیں کرسکتا اِسی لئے وہ ہمیں دُور دراز علاقے سکم میں بھیج رہا ہے۔"

وہ صبح بڑی سہانی تھی جس روز یہ قافلہ روانہ ہوا۔ اِتنا بڑا ریوڑ لے کر بھائی بڑے منظم انداز میں جا رہے تھے۔ اُس وقت دُور تک گرد کا بادل ہی نظر آ رہا تھا۔ گھریلو سامان کی بَیل گاڑیوں پر بیٹھے عدہ اور انوس دُور سے دو نقطے لگ رہے تھے۔ لیاہ کی نگاہیں اُن کا پیچھا کرتی رہیں۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اُس نے سُکھ کا سانس لیا۔ لگتا تھا کہ جلد ہی سارا بحران ختم ہو جائے گا اور وقت زخموں پر مرہم رکھ دے گا۔

دن ہفتوں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہو گئے، لیکن حضرت یعقوب کے بیٹوں کی کوئی خبر نہ ملی۔ خیمہ بستی کے مکینوں کی بے چینی بڑھنے لگی۔ سب اُن بھائیوں کے لئے سخت پریشانی محسوس کرنے لگے۔ ایک شام کھانے کے بعد حضرت یعقوب نے لیاہ سے اپنے خدشات کا اِظہار کیا، "اللہ جانے سکم کے نواحی گاؤں کے لوگوں نے اُن کے

ساتھ کیا سلوک کیا ہوا وہ ابھی تک بھولے نہیں ہیں۔ اُف! خدا نہ کرے، خدا نہ کرے۔" اُنہوں نے بھاری دل کے ساتھ بھڑکتی آگ پر نظریں جما دیں اور پھر فیصلہ کن انداز میں بولے، "مَیں یوسف کو اُنہیں ڈھونڈنے بھیجتا ہوں۔ کم ازکم وہ مجھے اُن کی خیریت کی خبر تو لا کر دے گا۔ تب مجھے چَین آئے گا۔"

لیاہ کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ شوہر اپنے سب بیٹوں سے پیار کرتے ہیں۔ تاہم اُس نے دبی دبی آواز میں اپنا خدشہ بھی ظاہر کر دیا، "سوچ لیں سترہ سال کے اکیلے نوجوان کے لئے یہ ایک لمبا اور خطرناک سفر ہے۔"

آخرکار حضرت یعقوب نے اپنے نوعمر بیٹے کو بھیج ہی دیا۔ جب حضرت یوسف نے اِس حکم کو کمال رضامندی سے قبول کر لیا تو باپ کی خوشی کی اِنتہا نہ رہی۔ بغیر وقت ضائع کئے حضرت یوسف سفر پر روانہ ہو گئے۔ وہ بن یمین کو خدا حافظ کہنے کے لئے تلاش کر رہے تھے کہ وہ دوڑتا ہوا خود ہی اُن کے پاس آ پہنچا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں بنسری اور دوسرے میں فلاخن تھی۔ اُس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی

تھیں۔ وہ دُور ہی سے پکار کر کہنے لگا، "یوسف بھائی! یوسف بھائی! دیکھو میرا فلاخن کا نشانہ کتنا اچھا ہو گیا ہے۔ وہ سامنے درخت پر دیکھو۔ دیکھ رہے ہو نا؟ مَیں بڑی آسانی سے اُس کے تنے کا نشانہ لے سکتا ہوں۔" فلاخن کا پتھر لہراتا ہوا سیدھا جا کر نشانے پر لگا۔

"شاباش بن یمین! مجھے تم پر فخر ہے۔ مشق جاری رکھو۔ مَیں سِکم جا رہا ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا۔"

بن یمین نے شدید اِحتجاج کیا، "بابا! مَیں بھی یوسف بھائی کے ساتھ جاؤں گا۔ مجھے جانے دو نا بابا!"

حضرت یوسف نے مسکراتے ہوئے کہا، "جانے دو بن یمین! بے وقوف مت بنو۔ سکم بہت دُور ہے۔ وہاں پہنچنے میں مجھے بہت دن لگیں گے۔ اِس کے علاوہ راستہ بھی خطرناک ہے۔ خطرہ ہے کہ ڈاکوؤں اور جنگلی جانوروں سے بھی واسطہ پڑے۔"

حضرت یعقوب نے یہ سن کر ہاں میں سر ہلایا اور بن یمین کے کندھوں کے گرد اپنے بازو حمائل کر کے اُسے دلاسا دیا، "یوسف سفر پر

جا رہا ہے نا۔ چلو پھر بنسری پر ایک دُھن سنا دو۔ یوسف جتنی جلدی سفر پر جائے گا اُتنی ہی جلدی لوٹ بھی آئے گا۔"

حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو گلے سے لگایا اور کہنے لگے، "اللہ تمہارے ساتھ ہو۔ پھر ملیں گے۔"

باپ اور بیٹے نے مزید کوئی بات نہ کی۔ دونوں ہی خاموش رہے۔ حضرت یوسف جلدی سے باہر نکل گئے اور بن یمین کی اُداس دُھن اُنہیں دُور تک سنائی دیتی رہی۔ اُن تینوں میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حضرت یوسف جبرون کی وادی میں پھر کبھی نہیں لوٹیں گے۔

کئی دنوں کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے وہ جب سِکم پہنچے تو وہاں اُن کے بھائیوں کا نشان تک نہ تھا۔ جب اُن کی نظر قدیم شہر پر پڑی تو اُن کے وجود میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اُن کے کانوں میں باپ کی یہ آواز گونج رہی تھی، "یوسف! سِکم کے شہزادے کی طرح جنسی آزمائش میں نہ پڑ جانا۔ اِس سے خبردار رہنا۔ اِس کے باعث بہتوں کی زندگی تباہ ہو چکی ہے۔"

ابھی وہ فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کہ ایک آدمی نے اُنہیں بتایا کہ اُن کے بھائی وہاں سے جا چکے ہیں اور یہ کہ اُس نے اُنہیں کہتے سنا تھا کہ اب دُوتین کو چلتے ہیں۔

ایک لمحے کے لئے حضرت یوسف نے گھر لوٹنے کا خیال کیا۔ اَب اُن کے بھائی سِکم کے خطرناک علاقے سے نکل چکے تھے۔ واپس جانے سے وہ اُن سے ملاقات کرنے سے بچ سکتے تھے اور اُن کے طعنوں سے بھی جو آسیب کی طرح اُن کا پیچھا کرتے تھے۔ لیکن پھر اُنہوں نے سوچا، "نہیں، گھر نہیں جاؤں گا بلکہ خود دیکھوں گا کہ بھائی کس حال میں ہیں۔"

اِتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ اپنے بھائیوں سے محبت کرتے تھے۔ پس وہ دُوتین کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب اُن کی نظر دُور گڑے خیموں پر پڑی تو اُن کا دِل خوشی سے بے قرار ہونے لگا۔

عدہ نے کپڑے دھو کر جھاڑیوں پر پھیلائے ہوئے تھے اور ریوڑ خیموں سے کچھ فاصلے پر چرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ اُسی سمت چل پڑے۔

اُن کے بھائیوں نے دُور ہی سے ایک تنہا شخص کو آتے دیکھا۔ اُس پر نظر پڑتے ہی اُن کے دلوں میں سوئی ہوئی نفرت ایک دَم جاگ اُٹھی۔ رُوبن نے طنزاً کہا، "وہ دیکھو، خواب دیکھنے والا چلا آ رہا ہے۔"

سب کے سب ایک آواز ہو کر چلّا اُٹھے، "چلو اِس سے جان چھڑائیں۔ ہمیشہ کے لئے اِس کا خاتمہ ہی کر دیں۔ بابا سمجھے گا اِسے کوئی جنگلی جانور کھا گیا ہے۔"

اِن بلند قہقہوں میں نفتالی کی آواز گونجی، "پھر ہم دیکھیں گے کہ اِس کے خوابوں کا کیا بنتا ہے۔ ہا ہا ہا! ارے پھر وہ ہم پر حکومت کیسے کرے گا؟ ہا ہا ہا!"

اِس وقت روبن کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ سب سے بڑا تھا۔ اُس پر یوسف کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی۔ اُس نے حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے کہا، "سنو! اِسے جان سے نہیں مارتے بلکہ کسی قریبی گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔ دیکھو اِسے اذیت نہ دینا، بس ذرا ڈرا دھمکا دینا۔"

اُس کا ارادہ تھا کہ جب کوئی بھی آس پاس نہیں ہو گا تو وہ حضرت یوسف کو بچا کر واپس باپ کے پاس بھیج دے گا۔

اُدھر حضرت یوسف اِس سازش سے قطعی بے خبر باپ کے حکم کی تعمیل اور بھائیوں کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اُن کے پاؤں اِس طویل سفر میں بُری طرح متاثر تھے اِس لئے چال میں قدرے لنگڑاہٹ آ گئی تھی۔ اُن کے ہونٹوں پر پپڑی جمی تھی اور سخت پیاس لگ رہی تھی۔ بھائیوں پر نظر پڑتے ہی اُنہوں نے ہاتھ ہلایا اور دُور ہی سے زور دار آواز میں سلام کیا۔ لیکن جواب میں گھمبیر خاموشی اور بھائیوں کے کرخت چہرے دیکھ کر اُن کا دل کانپ اُٹھا۔

اور پھر وہ آناً فاناً اپنے بھائی پر ٹوٹ پڑے، "اوا! تو تم یہاں ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو؟" اُنہوں نے حضرت یوسف کے جسم سے اُن کا لباس کھینچ کر اُتار دیا۔ وہ دھڑام سے زمین پر آ رہے۔ شمعون نے اپنا بھاری پاؤں اُن کی گردن پر رکھ دیا۔ بھائیوں نے اُسے ایک رَسی پکڑائی جس سے حضرت یوسف کو کَس کر جکڑ دیا گیا۔ شروع شروع میں حضرت یوسف اِسے بھائیوں کا مذاق سمجھتے تھے، لیکن جلد ہی پتہ چلا

کہ ایسا نہیں ہے۔ جلد ہی سارے بھائیوں کی اصل سوچ بے نقاب ہوگئی۔ وہ اُن کے بھائی نہیں بلکہ ظالم قاتل تھے جو اُنہیں جان سے مارنے کے درپے تھے۔

شمعون نے اپنا چہرہ اُن کے قریب لاتے ہوئے کہا، "ہم تجھے جان سے مار ڈالیں گے اور بابا کو پتا تک نہیں چلے گا۔ ہم اُنہیں بتا دیں گے کہ تمہیں کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہے۔ ہا ہا ہا!"

سب بھائیوں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیا اور دان چلّایا، "خواب دیکھنے والا ہمارا حاکم، ہمارا بادشاہ یہ جا رہا ہے!"

حضرت یوسف کا خوف کے مارے بُرا حال تھا۔ اُنہیں اپنے سامنے موت نظر آ رہی تھی۔ "اللہ کے لئے میری جان بخش دو۔ بابا کی خاطر مجھے چھوڑ دو۔" آنسو اُن کے رُخساروں پر بہہ رہے تھے۔ سِسکیوں سے اُن کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ "مَیں تم سے محبت کرتا ہوں۔ مَیں تمہارا بھائی ہوں۔"

لیکن بجائے رحم کرنے کے وہ اُن کی منت سماجت کی نقل اُتارتے رہے اور اُن کی فریاد پر اپنے کان بند کر لئے۔ پھر بڑی بے رحمی سے

اُنہیں ایک خشک کنوئیں میں پھینک دیا اورخود پاس ہی کھانا کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔

حضرت یوسف کو اُن کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اِس خیال سے لرز اُٹھے کہ بھائی تو مجھے جان سے مار دینے پر تُلے ہوئے ہیں۔

مصر کا سفر

کافی دیر تک بے رحم بھائیوں کی کرخت آوازیں حضرت یوسف کے کانوں میں پڑتی رہیں۔ اُن کے خوف ناک قہقہے اُن کے دماغ کی رَگیں پھاڑ رہے تھے۔ پھر یوں لگا جیسے وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں۔ یک لخت اُن کی یہ چیخم دھاڑ ایک گھمبیر خاموشی میں بدل گئی۔ سناٹا کافی دیر تک طاری رہا جس سے حضرت یوسف نے اندازہ لگایا کہ اب وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔ گڑھے میں گرنے کی وجہ سے اُن کا پورا جسم بُری طرح دُکھ رہا تھا۔ رگڑ سے بایاں کندھا چھل چکا تھا۔ اُن کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے جس سے

اذیت میں اَور اضافہ ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے اپنی پسلیاں ٹٹولیں۔ ہاتھ سے چھوتے ہی ایسی ٹیس اُٹھی کہ سانس اُوپر کا اُوپر ہی رہ گیا۔

یہ جسمانی تکلیف تو اُس تلخی کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی جس نے اُن کی رَگ رَگ میں زہر بھر دیا تھا۔ وہ کانپنے لگے۔ اُن کے دل میں اپنے جلاد صفت بھائیوں کے لئے غصے، نفرت اور اِنتقام کا لاوا اُبل پڑا۔ اِس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ اُن کی روح کو کبھی کسی چیز نے اِتنا گھائل و پامال نہیں کیا تھا۔ اَور تو اَور اُنہیں اپنے باپ دادا کے خدا پر بھی بہت غصہ آ رہا تھا۔ کیا اُنہوں نے اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر نہیں کی تھی؟ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ جس علاقے میں اُن کے بھائی ہیں وہ خطرے سے باہر ہے پھر بھی وہ سکم سے اِتنا لمبا سفر کر کے اُن کی خیریت معلوم کرنے آئے تھے۔ یہ سب کچھ محبت ہی تو تھی۔ اللہ کی محبت، باپ کی محبت اور اُن بھائیوں کی محبت جس نے اُنہیں یہ سب کچھ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

گڑھے کی اِس خوف ناک تاریکی میں جہاں اُن کے ہر طرف کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے، طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔ " کہیں

میرا خدا بھی اُن دیوتاؤں کی مانند نہ ہو جو لوگوں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتے ہیں!" حضرت یوسف نے اپنے دُکھتے سر کو ہاتھوں میں تھام لیا۔ "کیا واقعی اللہ کا وجود ہے یا وہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کا خواب ہی تھا؟ کم از کم مَیں نے تو اللہ کو آج تک نہیں دیکھا اور نہ اُس کی آواز ہی سنی ہے۔"

وہ کچھ دیر سوچ میں ڈوبے رہے۔ وَسوَسوں نے اُنہیں شک اور بے یقینی کے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا کہ اچانک وہ چونکے۔ زور سے اپنے سر کو جھٹکا۔ اب وہ کُلّی طور پر اپنے حواس میں تھے۔ "نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے گھرانے کے تحفظ کو کبھی ایک خواب کی خاطر داؤ پر نہیں لگایا ہو گا۔ یقیناً اللہ اُن پر ظاہر ہوا تھا۔ اور جب اُنہیں ایک بالکل اَن جانی جگہ پر جانے کا حکم ملا تھا تو یقیناً خدا اور اُن کے درمیان اِعتماد کا مضبوط بندھن موجود تھا۔ وہ دل سے اللہ پر بھروسا رکھتے تھے۔"

یہ خیال آتے ہی حضرت یوسف پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کی راہوں پر چلتے چلتے پردادا ابراہیم نے اپنے رب پر بھروسا کرنا اور اُس

سے محبت کرنا سیکھ لیا تھا۔ آزمائشیں اُن کے ایمان کی مضبوطی کا باعث بنتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ نے اُنہیں اُس وقت تک اولاد عطا نہ کی جب تک کہ وہ اور اُن کی بیوی کی عمر حد سے زیادہ نہ ہوگئی۔ پھر اُس نے اُنہیں حضرت اسحاق بخشا تاکہ وہ جانیں کہ وہ قادرِ مطلق خدا ہے اور ایک قابلِ اعتماد ہستی ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت اسحاق اور اُن کے بیٹے یعقوب نے بھی جان لیا تھا کہ اللہ شفیق اور وفادار ہے۔

حضرت یوسف کرب سے چلّا اُٹھے، "اے میرے باپ دادا کے خدا، میری مدد کر۔ میری جان بچا لے۔ جب ایک طاقتور فوج میرے پردادا کو مٹانے کو تھی تو اُس خوف کی حالت میں تُو اُنہیں دکھائی دیا تھا۔ تُو نے اُنہیں یقین دلایا تھا، 'مَیں تیری سپر اور تیرا بہت بڑا اَجر ہوں'۔ خدایا اِس وقت مجھے تیری حفاظتی سپر کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن اِس سے کہیں بڑھ کر مَیں تجھے جاننا اور تیری خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ خدایا تیرے بغیر میری زندگی بے معنی ہے۔"

جانے اِس وقت ابلیس حضرت یوسف کے دماغ میں نئے گمان لئے کہاں سے آ ٹپکا! اُس نے اُن کے کان میں ڈالا، "اللہ صرف ایک خواب ہے۔ تم لوگ کبھی بھی ایک قوم نہیں بنو گے اور نہ دُنیا کے لئے برکت کا باعث ہی ہو گے۔ ذرا اپنے بھائیوں ہی کو دیکھ لو! خدا میں تو اِتنی قدرت بھی نہیں کہ اُن کے دل ہی بدل ڈالے۔ یہ مت بھولو کہ وہ جلد ہی تمہیں مار ڈالیں گے۔"

اُن کے سر پر مایوسی کے گہرے بادل منڈلانے لگے۔ بن یمین کی جان کے خطرے کا خوف اُنہیں اَور بھی شکستہ دِل کئے جا رہا تھا۔ اور سب سے بڑا یہ کھٹکا کہ شاید اللہ نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ پھر وہ زار و قطار رونے لگے اور چلّا کر اللہ کو پکارا کہ کسی طرح مجھ پر ظاہر ہو جا۔ گو نہ کوئی آواز سنائی دی، نہ کچھ نظر آیا، تو بھی اُنہیں محسوس ہوا کہ خدا موجود ہے۔ میرا انجام بخیر ہو گا کیونکہ اللہ زندہ ہے اور ہر شے اُس کے اِختیار میں ہے۔ اِس لئے مجھے اپنے اِنتقامی خیالات، اپنے بھائیوں سے نفرت، حتیٰ کہ اپنے خدشات کو بھی ترک کرنا ہے۔ صرف اِسی صورت میں خدا میری

زندگی کو اپنے ہاتھ میں لے گا۔ جس طرح اللہ نے پردادا حضرت ابراہیم سے کہا تھا، "تُو میرے حضور میں چل اور کامل ہو۔"

حضرت یوسف کے دِل و دماغ میں ایک عجیب سی کش مکش جاری رہی۔ سخت آزمائش کی اِس گھڑی میں اُنہوں نے آخر میں اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھوں میں سونپ دیا، اپنی تمام تر فکروں کو اُس پر ڈال دیا۔ تب نفرت، بدلے کی آگ، موت کا خوف اور بن یمین کی فکر، سب بوجھ ایک ایک کرکے اُن کے سر سے اُترتے چلے گئے اور اُن کا دل اطمینان سے معمور ہو گیا۔

گڑھے میں ہر طرف گھناؤنے کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے۔ چھپکلیوں کی کثرت نے ماحول کو اَور زیادہ خراب بنا رکھا۔ اِس خوف ناک اور کپکپا دینے والی جگہ کے باوجود حضرت یوسف کو سکون آیا۔ اُنہوں نے ڈور اپنے باپ دادا کے خدا کے ہاتھ میں دے دی تھی —جو ہو سو ہوا خدا میرے ساتھ ہے تو خوف کیسا؟ وہ خود ہی میرا دُکھ بانٹ لے گا۔ جب اُسی پر بھروسا ٹھہرا تو وہی مشکلات پر غالب آنے کی ہمت اور طاقت عطا کرے گا۔ اب تک معلوم نہ تھا کہ اِس

مشکل آزمائش پر غالب آئیں گے کہ نہیں۔ شیطان نے تو اُن کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے! خدا نے اُنہیں پہلے سے بھی کہیں زیادہ ایمان کی مضبوطی عطا کی تھی۔ وہ اُن کو اپنے خاص کام کے لئے تیار کر رہا تھا، جس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے آپ کو کُلی طور پر اُس کے سپرد کر دیں۔

اچانک وہ چونک پڑے۔ اُنہوں نے گھبرا کر اوپر دیکھا۔ لاوی، یہوداہ اور آشر نیچے گڑھے میں جھانکتے نظر آئے۔ بھائیوں کو دیکھ کر ڈھارس بندھنے کی بجائے اُن کے وجود میں خوف کی سرد لہر دوڑ گئی۔ پھر ایک کرخت آواز گونجی، "تُو خواب دیکھنے والا نیند کے مزے لے رہا ہے۔ کیوں؟" اور پھر خوف ناک قہقہے ہر طرف بکھر گئے۔ اُنہوں نے بڑے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے سے نظریں ملائیں اور ایک رسی نیچے اُتار دی۔

"یہ پکڑو۔ ذرا مضبوطی سے ... ہم اوپر کھینچ رہے ہیں تمہیں ... اُف، یہ چھوکرا کتنا وزنی ہے! لگتا ہے باپ نے خوب کھلا پلا رکھا ہے اِسے۔"

جب حضرت یوسف گڑھے سے باہر نکلے تو اُن کا حلیہ دیکھنے والا تھا۔ اُن کا سارا جسم کیچڑ سے لت پت تھا اور زخموں سے رِسنے والے خون نے مٹی کے ساتھ مل کر اُن کی صورت ہی بدل ڈالی تھی۔ اُنہوں نے باہر آ کر سکھ کا سانس لیا۔ اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے یک دَم ساری بلائیں ٹل گئی ہیں۔ لیکن اگلے ہی لمحے گویا آسمان سر پر ٹوٹ پڑا۔ سب اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ گڑھے کے پاس تاجروں کا ایک قافلہ کھڑا تھا۔

قافلے کے سردار یوب نے حضرت یوسف پر اُچٹتی سی نظر ڈالی تو وہ سر سے پاؤں تک تھرا گئے۔ پست قد مگر موٹے تازے یوب کی متلاشی اُنگلیاں حضرت یوسف کے جسم کو ٹٹولنے لگیں۔ پھر اُس نے گرج کر کہا، "اپنا منہ کھولو۔"

احساسِ ذِلت سے حضرت یوسف کے کان کی لوئیں سرخ ہوگئیں۔ اُف میرے خدا! اِس قدر تحقیر۔ اُن کا معائنہ اِس طرح کیا جا رہا تھا جیسے وہ اِنسان نہیں بلکہ حیوان ہے جس کی سودا بازی ہو رہی ہے۔ اُنہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُن کے بھائی یہاں تک گر سکتے ہیں کہ اپنے باپ کے چہیتے، اپنے خون کو یوں غلاموں کی طرح

بیچ دیں۔ وہ اپنے بھائیوں کے آگے گھٹنوں کے بَل گر پڑے اور گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگنے لگے، "خدا کے لئے مجھے غلام بنا کر نہ بیچو۔ کچھ تو خیال کرو۔ بابا کیا کہیں گے؟ اُنہیں کیا جواب دو گے؟ وہ کیا کریں گے میرے بغیر؟"

لیکن بجائے اِس کے کہ چھوٹے بھائی کی درد ناک آوازیں اُن پر اثر کرتیں اُن کے دل اَور پتھر ہو گئے اور سب نے اُنہیں ڈانٹ کر خاموش رہنے کو کہا۔

حضرت یوسف بے بسی کے عالَم میں ایک ایک چہرے کو تکتے اور اِلتجا کرتے رہے اِس اُمید پر کہ شاید کہیں رحم کی جھلک نظر آ جائے۔ آخر اُن کی پُراُمید نگاہیں یہوداہ پر ٹھہر گئیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ بڑا بھائی ہونے کے ناتے اُس کا دل ضرور پسیج جائے گا۔ وہ درد کی شدت سے کراہتے اور نقاہت سے رینگتے ہوئے سِرکے، یہوداہ کے پاؤں پکڑ لئے اور رو رو کر اِلتجا کرنے لگے، "یہوداہ بھائی! دیکھو مَیں تمہارا بھائی ہوں نا؟ اگر میری کوئی بات آپ کو بُری لگی ہے تو مَیں معافی چاہتا ہوں۔ جیسے آپ کہیں گے ویسے ہی کروں گا۔ خدا کے واسطے مجھے اِن لوگوں

کے ہاتھ نہ بیچو۔ یہ مجھے غلام بنا لیں گے۔ مت کرو یہ ظلم بھائی۔ رحم کرو۔"

حضرت یوسف کی درد بھری فریاد نے پتھر کو نرما دیا۔ یہوداہ کی آنکھوں میں رحم کی جھلک دیکھ کر دان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُس نے حضرت یوسف کو زور دار ٹھوکر ماری اور غصے میں غرایا، "بہت ہو چکا۔ بند کرو اپنی یہ بکواس۔"

بڑی بے دردی سے حضرت یوسف کو پکڑ کر اُٹھا کھڑا کیا گیا۔ اُن کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ ہر چہرہ اجنبی لگ رہا تھا۔ ہر نظر پرائی ہو چلی تھی۔ اُن کا انگ انگ بُری طرح دُکھ رہا تھا۔ زخموں سے رِستے ہوئے خون میں مٹی کی آمیزش سے جلن اور تڑپ میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ باپ کی پیار بھری گود کے بعد اچانک غلامی کی ذِلت آمیز زندگی کا تصور ہی رَونگٹے کھڑے کئے جا رہا تھا۔

اُدھر یوب کی بحث و تکرار کی وجہ سے سودا طے نہیں ہو پا رہا تھا۔ شمعون کے صبر کا پیمانہ اَب تک لبریز ہو چکا تھا۔ اِس سے پہلے کہ یہوداہ اپنا اِرادہ بدل لے وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد یوسف سے چھٹکارا

حاصل کر لے۔ لہٰذا اُس نے معاملہ طے کرتے ہوئے بس ایک ہی بات کہی، "یوب! بس آگے کچھ نہیں، 20 روپے پر بات ختم کرو اور اِس منحوس کو ہماری نظروں سے دُور لے جاؤ۔"

یہ جملہ حضرت یوسف کے لئے ایک دھماکے سے کم نہ تھا۔ اُنہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُن کے بھائی اُنہیں یوں کوڑیوں کے مول بیچ ڈالیں گے۔ نفرت کتنی اندھی ہوتی ہے اور حسد کی آگ کتنی تیزی سے سب کچھ بھسم کر ڈالتی ہے۔ اِس کا اندازہ اُنہیں آج ہوا جب اُنہوں نے حقیقی خون کو سفید ہوتے دیکھا۔

اُدھر یوب کو یقین نہیں ہو رہا تھا۔ اِتنا سَستا سودا تو اُس نے زندگی میں کبھی نہیں کیا تھا۔ اُس کی گول مٹول آنکھیں خوشی سے ٹمٹما رہی تھیں۔ اُس نے جلدی جلدی حضرت یوسف کے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں ڈالیں اور قافلے کو کوچ کا حکم دیا۔

یوب نے پلٹ کر حیرت سے اُن پر باری باری نظر ڈالی۔ شاید دل میں یہ سوچ رہا ہو کہ کیا زمانہ آ گیا ہے کہ سگے بھائی اپنے چھوٹے بھائی کا سودا چند روپوں میں کر رہے ہیں اور اُس کی فریاد کا اُن پر رتی برابر

اثر نہیں ہوتا۔ تاہم اُس نے اپنے اِن احساسات اور جذبات کا اِظہار نہ ہونے دیا۔

قافلہ مصر کی جانب رواں دواں تھا۔ وَسوَسوں اور اندیشوں نے حضرت یوسف کے دل میں گھر کر رکھا تھا۔ سارا راستہ وہ سِسکیاں بھرتے رہے، لیکن کسی نے اُن سے بات تک نہ کی۔ حتیٰ کہ یعوب نے بھی اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اُن پر قیامت گزر گئی۔ اُن کی فریاد نے زمین و آسمان کو ہلا دیا۔ فضائیں کانپ کانپ گئیں، لیکن اُن کے بے حِس بھائیوں پر ذرّہ برابر اثر نہ ہوا۔ وہ حسبِ معمول اپنے ریوڑ چرانے لوٹ گئے۔ اُن میں سے ایک نے بڑے بیزار کن لہجے میں سکوت کو توڑا، "کم بخت! ہر وقت اعصاب پر سوار رہتا تھا۔ شکر ہے جان چھوٹ گئی۔ کھانا پینا حرام کر رکھا تھا۔ آج تو ڈٹ کے کھائیں گے۔"

ابھی اُنہیں سُکھ کا سانس لئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آشر کی نظر دُور آتے ہوئے رُوبن پر پڑی جو گڑھے کے پاس آ کر رُک گیا تھا۔ اُس نے بھائیوں سے کہا، "ارے وہ دیکھو رُوبن واپس آ گیا ہے۔ گڑھے

کے پاس واپس کھڑا ہے۔ شاید ابھی تک یہی سمجھتا ہے کہ یوسف وہیں پڑا ہے۔ جب اُسے معلوم ہو گا کہ اُس کے ساتھ کیا ہوا ہے تو وہ ضرور کچھ نہ کچھ کہے گا۔"

یہوداہ بُڑبُڑاتے ہوئے بولا، "روبن کو تو ہم بھول ہی گئے تھے۔ وہ دُوتین گیا تھا۔ حیرت ہے اُس نے اِتنی دیر کہاں لگا دی آخر؟" سب کے چہروں پر فکرمندی کے آثار نمایاں تھے۔

اِس اثنا میں روبن گڑھے میں حضرت یوسف کو آوازیں دیئے جا رہا تھا، "بھائی! یوسف بھائی! سنو! یہ رسی پکڑ لو۔ دیکھو تمہاری ساری سختی ٹل گئی ہے۔ تمہارے لئے تو تھوڑا صدمہ ہی بہت ہے۔" اُس نے گھٹنوں کے بَل ہو کر رسی کو گڑھے میں پھینکا اور پھر اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حضرت یوسف کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن گہری تاریکی میں اُسے کچھ بھی سجھائی نہ دیا۔ پھر اُس نے بڑی منت سے پکار کر کہا، "دیکھو یوسف! تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہو گا۔ نادان نہ بنو۔"

جب اِتنا پکارنے پر بھی کسی بات کا جواب ملا اور نہ کسی نے رسی کو ہی تھاما تو اُس کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے گہرے گڑھے میں ایک بار پھر

حضرت یوسف کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ اب تک اُس کی آنکھیں اندھیرے سے قدرے مانوس ہو چکی تھیں۔ گڑھا خالی تھا۔ اُسے شدید دھچکا لگا۔ وہ وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ "یوسف کا کیا ہوا؟ اُنہوں نے اُس کے ساتھ کیا کیا؟" وہ ایک جھٹکے سے اُٹھا اور سیدھا اپنے بھائیوں کی طرف بھاگ نکلا۔ وہ غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ صدمے سے نڈھال اُس نے اِحتجاجاً اپنے کپڑے تک پھاڑ ڈالے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی اُس نے اِنتہائی بے بسی سے مطالبہ کیا، "یوسف کہاں ہے؟"

جواب میں گہری خاموشی پا کر وہ اُن کے چہروں کے تاثرات سے سمجھ گیا کہ اب یوسف یہاں نہیں رہا۔ وہ کرب سے چلّا اُٹھا، "کہاں ہے یوسف، مَیں پوچھتا ہوں کہاں ہے وہ؟ یہوداہ جواب دو۔ پہلوٹھا ہونے کے ناتے میرا حق ہے کہ مَیں جانوں کہ تم نے اُس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ نالائقو! بے رحم درندو! اِس کا نتیجہ مجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔" اُس کے سر پر گویا جنون سوار تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ یہ سب کچھ محبت کے باعث نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اُسے اپنی فکر لاحق تھی۔ جہاں تک یہوداہ کا تعلق تھا اُس نے کم از کم حضرت یوسف کو بھائیوں کے

ہاتھوں مرنے سے بچانے کے لئے اُنہیں بیچ دینے کی تجویز پیش کی تھی۔ موقعے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اُس کے ذہن نے فوراً کام کیا۔ اُس نے حضرت یوسف کا چوغہ نکالا اور اُسے دکھاتے ہوئے سارا قصہ روبن کو کہہ سنایا۔

پھر بڑے غیر جذباتی انداز میں بولا، "اِس طرح یوسف کا خون ہماری گردن پر نہ ہو گا۔ بابا خود ہی سمجھ جائیں گے کہ اُن کے چہیتے کا کیا حشر ہوا ہے۔ ہمارا کام فقط اِتنا ہے کہ اِس چوغے کو بکرے کے خون میں ڈبو کر بابا کو دکھا دیں اور بس۔ آگے وہ جو چاہیں اندازہ لگا لیں۔" پھر یہوداہ نے سب کو اپنی تیز چبھتی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے مہر لگا دی، "آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی یوسف کا نام تک اپنی زبان پر نہیں لائے گا ... سمجھے!"

اِتنا بڑا سانحہ ہونے کے باوجود فضا ویسی ہی پُرسکون لگ رہی تھی۔ ریوڑ کے اوپر فضا میں ایک عقاب چکر کاٹ رہا تھا۔ جھاڑیوں کے پیچھے سے ایک ننھا سا خرگوش پھُدکتا ہوا باہر نکل رہا تھا۔ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ فضا میں رَس گھول رہی تھی اور پرندوں کی چہچہاہٹ نے

ماحول کو نغمگین بنا ڈالا تھا۔ ایسے میں حضرت یوسف کے بھائی اپنی اندرونی کش مکش پر غالب آ کر زندگی کو معمول پر لانے کی کوشش میں لگ گئے۔ لیکن ہزار کاوش کے باوجود وہ اپنی روح میں چبھے اُس کانٹے کو نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے جو آئندہ 25 سال تک اُن کے لئے ناسور بننے والا تھا۔

شام کے سائے ڈھلنے لگے۔ برادرانِ یوسف اپنی خیمہ بستی کی طرف ریوڑ ہنکائے ہوئے چل پڑے۔ سورج دُور اُفق کے پار تاریکی میں بڑے سُرخ گیند کی مانند لُڑھکتا ہوا غروب ہوتا گیا۔ جیسے ہی وہ اپنے خیموں کے پاس پہنچے عدہ اور انُوس نے اُنہیں بڑے پیار بھرے انداز میں سلام کیا۔ انوس گوشت بھون رہا تھا اور پاس ہی عدہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔ بھُنے ہوئے گوشت میں سبزی کی ملی جلی خوشبو دیوانہ کئے جا رہی تھی۔ سب کی بھوک چمک اُٹھی۔ انوس نے چہکتے ہوئے کہا، "کھانا بالکل تیار ہے۔ بس تھوڑی ہی دیر میں روٹیاں بھی بن جاتی ہیں۔"

یہ سب کچھ دیکھ کر شمعون کے منہ میں پانی بھر آیا، "بھئی، مجھ سے تو اَور زیادہ صبر نہ ہو سکے گا۔" سب نے ہم آواز ہو کر اُس کی تصدیق کی۔

عدہ نے ایک نظر سب پر ڈالی اور پھر بھنوؤں کو یوں سُکیڑا جیسے کچھ اچانک یاد آ گیا ہو۔ پھر حیرت سے پوچھنے لگی، "راستے میں یوسف نہیں ملا تمہیں؟ کل انوس جب باہر گیا تو قسم سے اُس نے دُور سے یوسف کو دیکھا۔ ہاں وہ یوسف ہی تھا۔"

رُوبن نے جھٹ سے خون آلودہ چوغہ نکال کر اُسے دکھایا اور چہرے پر مصنوعی افسردگی طاری کرتے ہوئے کہا، "عدہ! تم ٹھیک کہتی ہو۔ وہی نظر آیا ہو گا۔ ہمیں تو یوسف نہیں بلکہ صرف یہ کپڑے ملے ہیں۔ لگتا ہے اُسے کسی جنگلی درندے نے پھاڑ کھایا ہے۔ سچ کیا ہے یہ جاننے کے لئے کل خیمے اُکھاڑ کر گھر چلیں گے۔"

عدہ کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ "یہ تو بے شک یوسف ہی کا چوغہ ہے۔ سچ مچ یوسف کا چوغہ ہے یہ۔ اُف میرے خدایا! تو کیا وہ مر گیا؟ میرا اِتنا جوان، اِتنا خوب صورت، اِتنا اچھا بھائی ہم سے بچھڑ گیا؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

انوس بھی آہ و زاری میں شریک ہو گیا۔ دونوں کھانا لگاتے جاتے اور ساتھ ساتھ پھوٹ پھوٹ کر روتے رہتے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں

کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ دو معصوم، محبت بھرے اور پُرخلوص دل ماتم کر رہے تھے۔ آنکھیں چھلک رہی تھیں۔ حیرانی کی بات کہ سگے بھائی اپنے چھوٹے بھائی کی موت پر کس بے حسی سے ڈٹ کر کھا رہے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ نہ اُن کی آنکھیں نم تھیں اور نہ چہرے پر کسی پریشانی کے آثار ہی نمایاں تھے۔

وہ پتھر دل شیطان اگرچہ خود میں باپ کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ پا رہے تھے، لیکن پھر بھی دِھٹائی کا یہ عالَم تھا کہ خون آلود چوغہ لے کر اپنی من گھڑت کہانی لئے چند دنوں کے سفر کے بعد سہ پہر کو اپنی خیمہ بستی میں جا پہنچے۔ بن یمین اُچھلتا کودتا اُن سے ملنے کو دوڑا اور بڑی معصومیت سے بولا، "یوسف بھائی کہاں ہیں؟ اُنہیں ایک چیز دکھانی ہے۔"

حضرت یعقوب بڑی بے چینی سے خیمے سے باہر نکل آئے۔ اُن کی بے چین نگاہیں اپنے بیٹے یوسف کو تلاش کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے بڑی بے قراری سے پوچھا، "یوسف کو تم نہیں ملے کیا؟"

رُوبن کی تو جیسے زبان گُنگ ہوگئی ہو۔ ہزار کوشش کے باوجود وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ پایا۔ اُس نے خاموشی سے خاک و خون میں لتھڑا ہوا چوغہ اپنے باپ کو تھما دیا۔

شمعون دھیمی آواز میں بولا، "بابا، ہمیں یہ کپڑے ملے ہیں۔ کہیں یہ آپ کے بیٹے یوسف کے تو نہیں؟"

اِس چوغے کو تھامتے ہی حضرت یعقوب کے ہاتھوں میں لرزہ طاری ہو گیا۔ زندہ بڑھاپا جوان موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُس لبادے کو تکتے رہے جسے بڑے چاؤ سے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اُنہوں نے اپنے لاڈلے بیٹے کو پہنا کر رُخصت کیا تھا۔ اب وہی لبادہ اُس کی موت کا پیام بن کر اُن کے ہاتھوں میں مَسلا پڑا تھا۔ ایسی کرب ناک گھڑی تو اللہ دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ وہ صدمے سے چلّا اُٹھے۔ ایک دل دوز چیخ فضاؤں کو چیر گئی، "ہاں! ہاں! یہ کپڑے یوسف ہی کے ہیں۔ میرا بیٹا یوسف! اُسے ضرور کسی جنگلی جانور نے پھاڑ ڈالا ہے۔ میرے بچے یوسف کو چیر پھاڑ ڈالا ہو گا ظالم نے۔"

حضرت یعقوب کی آہ و زاری سن کر سارا قبیلہ اِکٹھا ہو گیا اور صفِ ماتم بچھ گئی۔ اُن کی حالت غیر ہوئی جا رہی تھی۔ اُنہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ٹاٹ اوڑھ لیا۔ اُنہوں نے سوچا کیا تھا اور ہو کیا گیا! سب تدبیریں اُلٹی ہو گئیں۔ اُن کا کلیجا غم سے بُری طرح چھلنی ہو گیا۔ بیٹے کے صدمے نے باپ کو نڈھال کر ڈالا۔

بن یمین کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اب بھی اُمید کی چمک تھی۔ وہ اب بھی اُسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ دُکھ سے چلّا اُٹھا۔ ڈھیروں سوال اُس کے ننھے سے ذہن میں اُبھر رہے تھے۔ ”یوسف بھائی کو شیر نے کھایا ہے یا بھالُو نے؟ کیا اُس نے یوسف بھائی کے بازو اور ٹانگیں بھی چبا ڈالیں؟ یوسف! مجھے یوسف بھائی سے ملنا ہے۔ کیا یوسف بھائی کبھی گھر لوٹ کر نہیں آئیں گے؟“

لیاہ نے بن یمین کو مضبوطی سے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ وہ راخل کے بیٹے یوسف کے لئے اِس طرح بَین کر رہی تھی جیسے وہ اُس کی بہن کا نہیں بلکہ اُس کی اپنی کوکھ سے جنا بیٹا ہو۔ حضرت یعقوب کی خیمہ

بستی میں کہرام مچ گیا۔ تمام حرمیں اور بہو بیٹیاں اپنے سردار کو تسلی دینے کی کوشش کرنے لگیں، لیکن بے سود۔

اُدھر حضرت یعقوب کے منافق بیٹے اپنے آپ کو بہت غمگین اور دُکھی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بار بار اپنے بھائی کے چوغے کو دیکھنے کو کہتے جیسے اُنہیں واقعی اِس کا بڑا صدمہ ہو۔ ساتھ ہی وہ اپنے باپ پر اپنی محبت جتا رہے تھے اور اُن کا بڑا خیال رکھ رہے تھے۔ لیکن دُکھی باپ کا دل کسی قسم کی تسلی قبول نہ کرتا تھا۔ باپ کی زبان پر بس ایک ہی بات تھی، "مَیں تو ماتم ہی کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔"

جب ماتم کے دن پورے ہو گئے تو بھائیوں کا خیال تھا کہ وہ یوسف اور اپنے اِس شرم ناک فعل کو یکسر بُھلا دیں گے۔ لیکن اللہ نے اُنہیں اِس کوشش میں کامیاب نہ ہونے دیا۔

حضرت یعقوب بالکل ہی دل چھوڑ چکے تھے۔ وہ اِس مشکل وقت میں ساتھ نباہنے والی اپنی بیوی لیاہ کے کتنے شکرگزار تھے۔ اب اُن کے سامنے اُن کی محبوبہ بیوی راخل کا بیٹا بن یمین تھا جو اُن کی آنکھوں

کا تارا تھا۔ ماں اور بھائی کے بعد اَب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ اُسے پیار کی ضرورت تھی اور اِس طرح دُنیاوی آس کی کڑی سے کڑی مل جانے سے حضرت یعقوب خدا کے اَور قریب آ گئے۔ اُنہوں نے اللہ کا دامن اَور مضبوطی سے تھام لیا۔ اُنہیں یہ دیکھ کر اِنتہائی دُکھ ہوتا تھا کہ اُن کے بیٹے روحانی طور پر بالکل مُردہ ہیں۔ لیکن پھر اُنہوں نے اپنا یہ بوجھ خدا پر ڈال دیا، "اے خدا! تُو قادرِمطلق ہے۔ تُو نے میری زندگی میں بڑا معجزہ کیا ہے کہ مجھ جیسے خطاکار اِنسان کو مردِ خدا بنا ڈالا ہے۔ میرے بیٹوں کی زندگی کو بھی بدل ڈال۔"

آزمائش

یوب کی کرخت آواز فضا میں گونجی، ”اب ہم کوچ کریں گے۔“ مِدیانیوں کا قافلہ مسالا جات، روغنِ بلسان، مُر اور تین عدد غلاموں سے جن میں حضرت یوسف بھی شامل تھے لدا پھندا روانہ ہو گیا۔ ادھیڑ عمر غلام بڑا بیزار اور تلخ مزاج معلوم ہو رہا تھا جبکہ چودہ سالہ غلام قدرے چالاک دکھائی پڑتا تھا۔ یوب نے اُس شریر کو خبردار کرتے ہوئے کہا، ”حداد! دیکھو میرے ساتھ کسی قسم کی چالاکی نہیں چلے گی۔ ورنہ ایسی پٹائی کروں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔“

حضرت یوسف اپنے ہی خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ اُنہیں گھر کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اُن کا جی چاہ رہا تھا کہ سارے بندھن توڑ کر ایک ہی جست میں اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اُنہوں نے آخری بار بڑے درد بھرے انداز میں پلٹ کر دیکھا۔ اُنہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیا واقعی اُن کا پیارا گھر، اُن کا گھرانا، باپ کے سائے میں تحفظ کا احساس اور ہر وہ چیز جو اُنہیں اچھی لگتی تھی اُن سے چھن گئی ہے؟ وہ اِن ہی سوچوں میں گم تھے کہ اُن کا پاؤں کسی چیز میں پھنس گیا جس سے وہ لڑکھڑا کر گر پڑے۔ قافلے میں موجود ایک تاجر نے ایک موٹی سی گالی دی اور بے چارے حضرت یوسف کی پیٹھ پر کوڑوں کی بارِش کر دی، "اے عبرانی لڑکے! احمق نہ بنو ... ہاں! ہمارے کوڑوں کے اشاروں پر ناچنا سیکھو۔" اُس کی آواز میں بلا کا غرور تھا۔

حضرت یعقوب کا نازوں پلا بیٹا ڈگمگاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ آنکھوں میں شدتِ درد سے گرم گرم آنسو تیرنے لگے۔ لیکن آخر وہ سنبھل گیا۔ ایک آزاد پنچھی جس نے سدا کھلی فضاؤں میں سانس لیا ہو، جب اُس کے پَر کتر دیئے جاتے ہیں یا پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے تو یہ اسیری اُس کی

زندگی میں کتنی تلخیاں بھر دیتی ہے! حضرت یوسف کی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

کہیں دُور کسی گڈریے کے خیمے قریب آتے دکھائی دیئے۔ کوئی بنسری بجا رہا تھا اور اُس کی سُریلی تان ہَوا کے دوش پر سوار ساری فضا میں گردش کر رہی تھی۔ اِس آواز کے کان میں پڑتے ہی حضرت یوسف کو اپنے وہ سہانے خواب یاد آ گئے جو اُن کے ذہن پر بُری طرح سوار ہو چکے تھے۔ اُس وقت اُنہیں پختہ یقین تھا کہ اِن خوابوں کے ذریعے اللہ مجھے یہ بتانا چاہتا ہے کہ ایک دن مَیں ضرور حاکم بنوں گا۔ اُن کا ذہن اُلجھنے لگا۔ اِتنے سہانے خواب اور اُن کی اِتنی بھیانک تعبیر۔ اُنہوں نے تو حاکم بننے کا سوچا بلکہ یقین کر لیا تھا، لیکن آج وہ غلام بن چکے تھے ــــ بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا زرخرید غلام جسے سگے بھائیوں نے کوڑیوں کے مول بیچ ڈالا تھا۔ تاہم اللہ کا پاک روح جو اُس گڑھے میں اُن سے ہم کلام ہوا تھا اب بھی وہاں موجود تھا۔ حضرت یوسف کو اِس حضوری کا صاف احساس تھا۔ اب اُن کی زندگی اُس ذات کے تابع تھا جس کے اِختیار میں سب کچھ ہے۔ اب اُن

کا پورا اِرادہ یہ تھا کہ جو بھی ہو مَیں اپنے آقا کی بالکل ایسے ہی خدمت کروں گا جیسے مَیں اللہ کی خدمت کر رہا ہوں۔ اِس طرح گھٹیا سے گھٹیا کام میں بھی میرا ضمیر مطمئن رہے گا۔

مکار لڑکا حداد سِرکتا ہوا حضرت یوسف کے پاس آیا اور بڑے شوخ انداز میں آنکھ مارتے ہوئے بولا، "دیکھو، مَیں تمہیں کچھ گُر سکھاتا ہوں۔ یقین جانو، غلامی میں بھی زندگی مزے سے گزرے گی۔ پتے کی بات تو یہ ہے کہ جتنا کم کام کر سکتے ہو کرو اور دوسرے غلاموں کے بل پر جتنا فائدہ اُٹھا سکتے ہو اُٹھا لو۔ کبھی اِدھر پڑ رہے، کبھی اُدھر ڈنڈی مار دی اور پھر کچھ جھوٹے سچے بہانے گھڑ لئے۔ کیا سمجھے؟"

سورج عین سَر پر چمک رہا تھا۔ دھوپ کی تیزی سے سر سے پاؤں تک سب پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ ہونٹوں پر پپڑی جمی تھی۔ ایسے میں پیاس کی شدت سے نڈھال خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے عمر رسیدہ غلام بولا، "یہ لوگ یہاں ہمیں پینے کو پانی بھی دیں گے یا نہیں!" اِتنے میں اُن کی نظر اُن تاجروں پر پڑی جو کھا پی کر تازہ دم ہو رہے تھے۔ اِس غیر اِنسانی حرکت

پر اُسے تاؤ آ گیا اور پھر چنگھاڑتے ہوئے کہا، "یوب! ہمیں بھی پانی پلاؤ، ایسا نہ ہو کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے ہم آدھے بھی نہ رہیں۔ اِس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ کچھ بھی نہ کما پاؤ گے۔"

یوب نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر بڑے پنے تُلے قدم اُٹھاتا ہوا پانی کی چھاگل منہ سے لگائے اُس کی طرف بڑھا۔ اور اُس کے سامنے رُک کر دانت کچکچا کر بولا، "غلیظ پِلّے! اپنا منحوس منہ بند رکھ۔ پانی چاہیے نا! یہ لے پانی۔"

یہ کہہ کر اُس نے چھاگل اُس کے منہ پر اُنڈیل کر خالی کر دی اور بولا، "ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تمہیں پانی صرف شام کو ملے گا اور وہ بھی اُونٹوں کو پلانے کے بعد۔ سمجھے؟"

اِس سے پہلے کہ کوئی دوسرا شخص گندی زبان استعمال کرتا حضرت یوسف نے بڑی عاجزی سے کہا، "آقا! آپ اِسے پانی پلا دیجئے۔ مَیں آپ کے اونٹوں کو پانی پلا دوں گا اور چارا بھی کھلا دوں گا۔ آپ جو کام بھی کہیں گے مَیں خوشی سے کر دوں گا۔"

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ وہ بوڑھا غلام حضرت یوسف کی اِس نیکی سے خوش ہونے کی بجائے اَور خفا ہو گیا اور بجائے شکرگزار ہونے کے اُنہیں بُرا بھلا کہنے لگا کہ یوسف نے یوب کی منت سماجت اور خوشامد کیوں کی۔

جہاں تک حضرت یوسف کی عاجزی کا تعلق ہے، یوب کو اُن کی یہ بات بہت بھائی۔ وہ اُس کی نظروں میں جچنے لگے۔ اور یہ جان کر تو اُسے اَور بھی خوشی ہوئی کہ اِس عبرانی لڑکے کو مصری زبان بھی تھوڑی بہت آتی ہے۔ اِس کے علاوہ وہ کچھ پڑھا لکھا بھی ہے۔

اب قافلہ دریائے نیل کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہا تھا۔ دُور سے حضرت یوسف کو وہ اَہرام نظر آ رہے تھے جو مرحوم مصری بادشاہوں کی یادگاریں تھیں۔ حضرت یوسف تو شروع ہی سے ثقافت کے دلدادہ تھے۔ اُن پر نظر پڑتے ہی غیر مُلکی ثقافت میں دل چسپی کے جذبے نے جوش مارا اور وہ یوب سے مصری زندگی کے بارے میں پوچھنے لگے۔

تاجر نے بڑے فخر سے کہا، "مَیں شرط لگا کر کہہ سکتا ہوں کہ تمہارے گھرانے کے کسی شخص نے آج تک مصر کی سرزمین پر قدم بھی نہیں رکھا ہو گا۔"

لیکن حضرت یوسف نے اُس کی توقع کے برعکس اُسے بتایا کہ اُن کے پردادا ابراہیم کنعان میں پڑنے والے ایک بڑے قحط سے بچنے کے لئے مصر گئے تھے۔ "ہاں! آج بھی اکثر قحط سے بچنے اور اپنے مویشیوں کو بچانے کے لئے چرواہے ایسا ہی کرتے ہیں۔"

گرمی کی شدت میں اب مزید اِضافہ ہو چلا تھا۔ چلچلاتی دھوپ وجود کو جلائے دے رہی تھی۔ یوب نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور اُونگھ گیا۔

حضرت یوسف خیالوں ہی خیالوں میں اپنے پردادا کے اُس دَور میں پہنچ گئے جو اُنہوں نے مصر میں گزارا تھا۔ وہ سوچنے لگے بدقسمتی سے اُنہوں نے یہ قدم ضرور گھبراہٹ کے عالَم میں اُٹھایا ہو گا، اِس کے لئے اُنہوں نے خدا سے راہنمائی بھی حاصل نہیں کی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ جوں ہی وہ وہاں پہنچے مشکلات میں گھر گئے۔ سرحد پار کر کے مصر میں داخل ہونے سے پہلے حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سے درخواست کی

تھی کہ وہ مصریوں کو یہی بتائے کہ وہ اُن کی بیوی نہیں بہن ہے۔ اِس کی وجہ سارہ کی خوب صورتی تھی۔ اُس کے خاوند کو ڈر تھا کہ کہیں اُن کی بیوی چھیننے کی خاطر اُنہیں قتل نہ کر دیں۔

اُن کا خوف بجا تھا کیونکہ جوں ہی مصریوں کی نظر سارہ پر پڑی اُنہوں نے بادشاہ سے اُس کے حُسن کا چرچا کیا۔ جب بادشاہ کو یہ علم ہوا کہ وہ حضرت ابراہیم کی بہن ہے تو وہ اُسے اپنی حرموں میں شامل کرنے کے لئے لے گیا۔ اِس کے بدلے میں بادشاہ نے حضرت ابراہیم کو ڈھیروں بھیڑ بکریوں، مویشیوں، گدھوں، اونٹوں اور غلاموں سے نوازا۔

حضرت یوسف نے بھنویں سکیڑتے ہوئے سوچا کہ اگر رب بَروقت مداخلت نہ کرتا تو یقیناً پردادا اپنی بیوی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اللہ نے بادشاہ کے محل میں رہنے والوں کو ایک خوفناک بیماری میں مبتلا کر دیا۔ حاکم پریشان ہو گیا اور اِس بیماری کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔ تب رب نے اُس پر ظاہر کیا، "مَیں نے تمہیں اِس لئے سزا دی کیونکہ تم نے میرے نبی کی بیوی کو اپنی حرموں میں شامل کر لیا ہے۔"

ایک بت پرست کے منہ سے یہ الفاظ سننے سے اُنہیں کس قدر شرم آئی ہو گی، "تم نے جھوٹ کیوں بولا ؟ یہ رہی تمہاری بیوی۔ مَیں نے اِسے چھوا تک نہیں۔ اِسے لے کر فوراً مصر سے نکل جاؤ۔" حضرت ابراہیم خلیل اللہ یعنی خدا کے دوست اور نبی تھے۔ وہ مردِ خدا اور راست باز تھے، لیکن آزمائش کے اِس لمحے میں اپنی جان بچانے کی خاطر اُن سے اِتنی بڑی غلطی سرزد ہوئی۔ تاہم اللہ کی بروقت مداخلت کے باعث اُن کی بیوی اور مصری حاکم تباہی اور گناہ سے بچ گئے۔

حضرت یوسف نے عہد کیا کہ مَیں کسی قیمت پر بھی اپنی زندگی سے اللہ کے نام کی توہین نہیں ہونے دوں گا۔ مَیں اپنے پردادا کی غلطی سے سبق سیکھ کر اپنی راہیں درست رکھوں گا۔

آخر کار فرعون یعنی مصر کے بادشاہ کا عظیم شہر نظر آنے لگا۔ قافلہ اپنی منزل پر تقریباً پہنچ چکا تھا۔ کھلے میدانوں، وسیع چراگاہوں، حسین وادیوں اور دُور دُور تک پھیلے مظاہرِ فطرت کی گود میں پلنے والا یہ ننھا چرواہا جب اِن وسیع شاہراہوں اور بلند ایوانوں میں سے گزر رہا تھا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ شہر کے بڑے بڑے دروازے، مختلف

دیوتاؤں کے سنہرے مندر اور ہر طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا لوگوں کا ہجوم، اِن سب چیزوں نے اُسے حیران کر دیا۔ اور سب سے بڑھ کر فرعون کا محل جو بذاتِ خود ایک شہر سے کم نہ تھا۔ یہ دیکھ کر اُن کا دل گھبراہٹ سے زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کتنے اِطمینان کی بات تھی کہ وہ اِن حالات میں تنہا نہیں تھے بلکہ اللہ نے بار بار اُنہیں تسلی دی کہ "مَیں تیرے ساتھ ہوں۔ تیرے پردادا کی مصر میں آمد تو میری مرضی کے خلاف تھی، لیکن تیرا یہاں آنا میرے منصوبے کے عین مطابق ہے۔ میری راہوں پر چل اور بے داغ رہ۔"

قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا کہ اچانک یوب نے رُکنے کا حکم دیا۔ اُس کی نظر ایک مصری پر پڑی تھی جس سے وہ خوب واقف تھا۔ وہ بڑی رازداری سے اُس کے قریب گیا اور کہنے لگا، "یابل! معزز سپہ سالار فوطی فار کے لئے میرے پاس ایک خاص غلام ہے۔"

اُس مصری نے اِس کاروباری تاجر کو تکبرانہ انداز میں سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور بلند آواز میں بولا، "فوطی فار کے لئے جانتے ہو

بہترین چیز ہونی چاہیئے۔ اُس کا تعلق اعلیٰ معزز گھرانے سے ہے جیسے ہر چیز بہترین معیار کی درکار ہوتی ہے!"

یوب کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ "کیا مَیں یہ سب کچھ نہیں جانتا! آؤ، خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"

جوں ہی یابل کی نظر حضرت یوسف کے گٹھے ہوئے جسم پر پڑی تو خوش ہو گیا۔ یوب نے اپنے اُس جوان غلام کی تمام تر خوبیاں بڑی سرگرمی سے گنوانا شروع کر دیں۔ پھر آخر میں اُس نے کہا، "اور سب سے بڑی بات، یوسف ایمان دار ہے۔" یہ بات اُس نے ایسے کہی جیسے کوئی قیمتی ہیرا اُس کی مٹھی میں تھما دیا ہو۔

یابل نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یہ نوجوان اُسے سلجھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آنکھوں میں سچائی کی چمک تھی اور ساتھ ساتھ ذہانت اُس کے چہرے سے ٹپکتی تھی۔ لہٰذا بغیر کسی سودے بازی کے یابل نے اپنی تھیلی نکالی اور یوب کو منہ مانگے دام ادا کر دیئے۔ پھر بڑے حاکمانہ انداز میں گرجا، "اِس کی ہتھکڑیاں اُتار دو۔ یوب! ذرا اِن رِستے ہوئے زخموں کو دیکھو۔ کیا حال کر رکھا ہے تم نے اِس لڑکے کا؟"

یہ سنتے ہی حضرت یوسف نے فوراً یوب کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا، "اِنہوں نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ یہ زخم تو پہلے سے ہیں۔ اِس میں اِن کا کوئی قصور نہیں۔"

"دیکھا تم نے؟ مَیں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ یہ نوجوان ایمان دار ہے۔ مَیں قَسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ فوطی فار کے گھر میں ایسا ایمان دار کوئی نہیں ہو گا۔"

جب یابل حضرت یوسف کو لے جا رہا تھا تو اُس نے اُن کے چہرے پر غم کے گہرے سائے پھیلتے ہوئے دیکھے۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ اُن پر بیتی واردات کی رُوداد سُنے۔ اُس کے دل میں پدرانہ شفقت کے جذبے نے جوش مارا۔ حضرت یوسف کو بچانے کی خواہش اُبھری۔ اور اُس نے اِس نئے غلام کو اپنے سائے تلے پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہ فوطی فار کے عالی شان گھر میں داخل ہوئے تو بوڑھا یابل بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ حضرت یوسف بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف سنگِ مَرمَر کا فرش بچھا تھا۔ فرنیچر پر لکڑی کا نہایت باریک کام کیا گیا تھا اور دیواروں پر خوب صورت نقش و نگار بنے ہوئے

تھے۔ ایک ایسے لڑکے کے لئے جو خیموں میں سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی تھا یہ سب کچھ عجوبے سے کم نہ تھا۔

یابل نے جو غلاموں کا داروغہ تھا حکم دیا کہ حضرت یوسف کی حجامت بنوائی جائے اور نہلا دُھلا کر اُنہیں صاف ستھرے کپڑے پہنائے جائیں۔ پھر وہ اِس نئے غلام سے مخاطب ہو کر بولا، "یوسف! ہم تمہیں مصری رنگ میں رنگ دیں گے۔ سب سے پہلے تمہاری ڈاڑھی صاف کرنی ہو گی۔ اور ہاں یاد رکھو، ہم مصری لوگ صفائی کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔"

حضرت یوسف نے مودبانہ انداز میں جھکتے ہوئے جواب دیا، "جناب! مَیں اِس بات کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ میرا ظاہر ہی نہیں باطن بھی آپ کو پاک صاف ملے گا۔ مَیں فوطی فار کے گھر میں ایسے ہی خدمت کروں گا جیسے اپنے باپ دادا کے خدا کی کر رہا ہوں۔"

جب وہ جوان غلام نہا دھو کر یابل کے سامنے آیا تو وہ اُس کی وجاہت دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔

حضرت یوسف اپنے عہد پر پورے اُترے۔ اُنہوں نے اپنے ظاہر و باطن کی پاکیزگی قائم رکھی اور اپنے آقا کی ایسے خدمت کرتے رہے جیسے کہ اللہ کی۔ یابل حیران رہ گیا کہ اُنہوں نے کس احسن طریق سے خود کو فوطی فار کے گھر کے ماحول میں ڈھال لیا ہے۔ جلد ہی اُنہوں نے اپنی خندہ پیشانی اور خوش بیانی سے ہر فرد کا دل موہ لیا۔

یابل نے حضرت یوسف کی اُبھرتی ہوئی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اُنہیں گھر کا اِنتظام کرنے کے طریقے سکھانے شروع کر دیئے۔ جلد ہی فوطی فار کے گھر کا سارا اِختیار حضرت یوسف کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور اِس طرح سارا نظام بڑے اچھے طریقے سے چلنے لگا۔ جب فوطی فار نے اپنے گھریلو نظام میں اِتنی خوش گوار تبدیلی دیکھی تو اُس میں سبب جاننے کا تجسس پیدا ہوا۔ اور یہ معلوم کرکے کہ یہ سب حضرت یوسف کا حسنِ اِنتظام ہے وہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنے باقی انتظامات بھی کُلی طور پر اُن ہی کو سونپ دیئے۔

یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی حضرت یوسف کا رویہ غلاموں کے ساتھ بڑا پُرمحبت اور ہمدردانہ رہا۔ اُنہوں نے اپنی گزشتہ زندگی سے ایک سبق

سیکھا تھا اور وہ یہ کہ اگر اِنسان خود کو دوسروں میں نمایاں اورممتاز کر لے تو اِس کا نتیجہ حسد اور دشمنی ہوتا ہے۔ اَب وہ اِس سلسلے میں بڑے محتاط تھے۔

فوطی فار ہمیشہ حضرت یوسف کی تعریف کرتا رہتا تھا حتیٰ کہ اُن کا ذکر اپنی بیوی سے کرتے ہوئے بھی نہیں کتراتا تھا۔ "یہ عبرانی نوجوان تو ہمارے گھر کی دولت ہے۔ اَن مول ہے یہ۔ جب سے اِس نے اِنتظام سنبھالا ہے مجھے دھوکا بازی اور لڑائی جھگڑوں کی پریشانی سے نجات مل گئی ہے۔ اب مَیں سب کچھ اِس پر چھوڑ سکتا ہوں۔ اگر کوئی فساد سر اُٹھاتا بھی ہو تو یوسف اِسے بڑی ذہانت سے دبا دیتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اِس کے خدا ہی کی وجہ سے ہمیں اِتنی برکت ملی ہے۔"

اُس کی بیوی مسکرا دیتی۔ وہ تو پہلے ہی اِس پُرکشش عبرانی کو جو اَب ایک بھرپور مرد بن چکا تھا حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھی۔ فوطی فار اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی کے لئے اکثر گھر سے باہر رہا کرتا تھا۔ اُس کی غیرموجودگی میں اُس کی بیوی بیزاری اور تنہائی کا شکار رہتی

تھی۔ تسکین پانے کے لئے نئے نئے راستے نکالنا اِنسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اور جہاں جذباتی اِشتعال کا سوال ہے تو آزمائش بڑے بڑے پرہیزگاروں کے قدم متزلزل کر دیتی ہے۔ یہ تو پھر ایک کمزور عورت تھی۔ اُس کی نظر حضرت یوسف پر پڑی اور وہ اُنہیں اپنی محبت کے جال میں پھنسانے کی کوشش کرنے لگی۔

لہٰذا اجناس، ریشم اور مسالا جات خریدتے وقت وہ حضرت یوسف کو اپنے ساتھ لے جاتی۔ اُس کے چار غلام تو اُس کی پالکی کو کندھا دیئے ہوئے ہوتے، جبکہ حضرت یوسف ساتھ ساتھ چلتے جاتے تھے۔ وہ اُن سے بڑے لبھانے والے لہجے میں باتیں کیا کرتی تھی۔ بڑی چالاک عورت تھی۔ حضرت یوسف کا دل جیتنے کے لئے اُس نے یوں ظاہر کیا جیسے اُسے اُن کے گھر والوں سے گہری دل چسپی ہو۔ وہ اُن کے خاندان سے متعلق بھی سوالات پوچھتی جاتی۔ کبھی وہ باتوں باتوں میں ذرا اُن کا بازو بھی چھو لیتی۔ وہ شاطر عورت دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ ہوتے ہوتے وہ اِظہارِ مطلب پر اُتر آئی اور ہم بِستری کی دعوت دے دی۔

یہ سنتے ہی حضرت یوسف کو زبردست دھچکا لگا۔ وہ اِس اچانک حملے کے لئے تیار نہ تھے۔ اُن کے چہرے پر پریشانی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات دیکھ کر بیگم کی دل چسپی اَور بڑھ گئی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ جلد ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گی۔

اُدھر حضرت یوسف عجیب ذہنی کش مکش میں مبتلا تھے۔ بیگم نے اُن کے جذبات میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ عین اُسی وقت اُنہیں اپنے باپ کے الفاظ یاد آئے جو اُن کے ذہن کو بُری طرح جھنجھوڑتے رہے۔ "یوسف! جنسی آزمائش میں نہ پڑنا۔ اِس سے خبر دار رہنا کیونکہ اِس کے باعث بہتوں کی زندگی تباہ ہو چکی ہے۔"

حضرت یوسف کو اپنے والدین کے باہمی تعلقات کا خیال آیا جو نہایت پاکیزہ اور حسین تھے۔ اِس کے برعکس سِکم میں دینہ کی آبرو ریزی ایک قبیح فعل تھا۔ دینہ ... جو پھر کبھی بھی لوٹ کر اپنی اَصل حالت میں نہ آ سکی۔ دل و دماغ کی اِس جنگ میں حضرت یوسف اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کر رہے تھے۔ اُنہیں یوں لگا جیسے حالات اُن کی طاقت سے تجاوز کر گئے ہیں۔ اِس کے علاوہ وہ مختار نہیں بلکہ فوطی فار کی

ملکیت تھے۔ اور ایسے میں جب تک اُنہیں فوطی فار کی بیوی کی حمایت حاصل نہ ہوتی تب تک اُن کا عہدہ برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔ اُنہوں نے سوچا اگر بیگم کے جذبات مجروح ہوئے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے لئے اِنتہائی خطرناک ثابت ہو۔

یہ سنگین آزمائش کی گھڑی تھی۔ وہ اپنے حُجرے میں اِنتہائی بے قراری کے عالَم میں چکر کاٹتے رہے۔ دل و دماغ کی گتھیاں تھیں کہ سلجھنے کی بجائے اُلجھتی چلی جا رہی تھیں۔ آخر وہ کریں تو کیا کریں! دوسری طرف اللہ اُن کی زندگی سے مخصوص کام لینا چاہتا تھا۔ اُس نے اُن کے باپ دادا کو محض اِس لئے غیر اقوام سے الگ کیا تھا کہ وہ بے دین دُنیا میں اُس کی گواہی دیں اور اُس کی روشنی پھیلائیں۔ کیا ایسا ہو سکتا تھا ؟ کیا حضرت یوسف اب اپنی زندگی کے متعلق اللہ کے منصوبے کو برباد کرنے کو تھے؟ اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑے حالات پر غور کرتے رہے۔ اور پھر فیصلہ کیا، "نہیں، ہرگز نہیں۔ مَیں کسی قیمت پر بھی اِس آزمائش میں نہیں پڑوں گا۔ میرے جسم کو پاک رہنا ہے۔"

اللہ سے محبت نے اُن کے اِس فیصلے کو تقویت دی۔ وہ جانتے تھے کہ آزمائش کے آنے سے پہلے ہی مصمم اِرادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کاش اِس وقت وہ آزاد ہوتے! بے شک وہ خوش قسمت تھے، کیونکہ اُن کو گھر میں اعلیٰ منصب حاصل تھا۔ لیکن کون کرب کے اُن لمحات کا اندازہ لگا سکتا تھا جب گھر کی یاد اُن کو پہروں تڑپاتی تھی اور اُن کا دل اپنوں سے ملنے کے لئے مچل جاتا تھا۔ اَب بلہاہ کی باتیں اُن کی سمجھ میں آنے لگی تھیں۔ ایک طرف تو وہ اُن کے باپ کی حرموں میں شامل تھی اور دوسری طرف وہ اُن کی ماں کی لونڈی تھی۔ اُسے شوہر کی محبت کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ جن دو لڑکوں کو اُس نے جنم دیا تھا، وہ اُس کے نہیں بلکہ راخل کے بیٹے مانے جاتے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس نے خود کو روبن کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت یوسف نے ایک سرد آہ کھینچی۔ "بے چاری بلہاہ، اپنا سب کچھ دے کر بھی تُو نے کچھ نہ پایا۔ روبن نے تو اپنی ہوس کی تسکین کر لی اور تُو نے پوری خیمہ بستی کی لعن طعن کمائی اور سب کی نظروں سے گر گئی۔"

اِن باتوں کو یاد کرتے ہی حضرت یوسف نے فیصلہ کن انداز میں اپنا سر بلند کیا۔ ”کیا ہوا جو غلام ہوں! یہ غلامی جسم کی غلامی ہے، لیکن میرا باطن، میرا ضمیر آج بھی آزاد ہے۔ باطنی طور پر آزاد اِنسان ہوں۔ میری تمام تر زندگی خدا کے لئے وقف ہونی چاہیئے۔ اِس میں میری جنسی زندگی بھی شامل ہے۔ اللہ کے پاک نام کی توہین کیسے کرسکتا ہوں!“ لہٰذا اُنہوں نے سچے دل سے خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگی، ”اے میرے باپ دادا کے خدا! اپنی تمام تر جنسی خواہشات پر غالب آنے میں میری مدد کر۔ بخش دے کہ مَیں ہر اُس چیز سے اپنی آنکھیں اور ذہن بند رکھوں جو نفسانی خواہشات کو مشتعل کرتی ہے۔“

ابھی وہ اِن ہی باتوں میں گم تھے کہ بیگم کی لونڈی بشامہ نے اُن کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا۔ اُس نے اُنہیں اپنی مالکہ کے ذاتی کمرے میں آنے کا حکم سنایا۔ حضرت یوسف نے اپنے ذہن کو زور کا جھٹکا دیا۔ اُن کے ضمیر کی تنبیہ آمیز آواز مسلسل اُن کی مشاورت کئے جا رہی تھی، ”خبردار! جو کچھ بھی تم کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔ تمہاری ذرا سی کوتاہی فوطی فار کے قہر کو بھڑکا دے گی اور پھانسی کا پھندا تمہارا انجام ہو گا۔ فوطی

فار جو کہ فرعون کے محافظ دستے کا سردار ہے تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا۔"

حضرت یوسف بادلِ نخواستہ بیگم کی خواب گاہ میں جب پہنچے تو وہاں کوئی غلام تھا نہ لونڈی۔ اُن کی غیر موجودگی حضرت یوسف کو کھٹکنے لگی۔ اور پھر اُن کی نظر بیگم پر پڑی جس کے جسم پر کپڑے برائے نام ہی تھے۔ یوں وہ شوخ و چنچل خاتون اِس جوان کو اپنی طرف راغب کر رہی تھی۔ حضرت یوسف کی پوری کوشش تھی کہ اُن کی نظر آقا کی عزت کے برہنہ بدن پر نہ پڑے۔ پھر ہمت کرکے بولے، "میری مالکہ! فوطی فار جیسے معزز شخص کی بیوی کو یہ زیب نہیں دیتا۔ خدا کے لئے بس کیجئے یہ سب کچھ۔"

بیگم نے بڑے کھلنڈرانہ انداز میں قہقہہ لگایا، "ایک بار ... صرف ایک بار اپنے باپ دادا کے خدا کا خیال چھوڑ دو۔ تمہارا خدا بڑا ظالم ہے جو اپنے ماننے والوں کو زندگی کا کوئی بھی مزہ لُوٹنے کی اِجازت نہیں دیتا۔" پھر وہ جرأت کرکے آگے بڑھی اور بڑی بے باکی سے حضرت یوسف کو اپنی باہنوں میں جکڑ لیا اور پنجوں کے بل ہو کر اُن کے رُخسار

چوم لئے۔ ”جانِ من! ذرا سوچو، تمہارے باپ دادا کے خیمے یہاں سے کوسوں دُور ہیں۔ محبت بڑا ہی لطیف جذبہ ہے۔ کاش تم جانتے کہ تم کتنی بڑی نعمت کو ٹھکرا رہے ہو!“ ایک بار پھر وہ ہنستے ہوئے بولی، ”مَیں تمہیں پیار کرنا سکھاؤں گی۔ اب تو تم مصر میں آ چکے ہو۔ تمہارے اوپر اب ہمارے شہر کے دیوتاؤں کا اِختیار ہے۔ ہمارے دیوتا محبت کرنے والوں پر ناراض نہیں ہوتے۔“

حضرت یوسف نے بڑی مشکل سے خود کو اُس کی گرفت سے چھڑایا اور ذرا فاصلے پر کھڑے ہو کر اُس سے منت کرنے لگے، ”اے میری مالکہ! آپ کے شوہر فوطی فار کو مجھ پر بڑا بھروسا ہے۔ مَیں اِس اعتماد کو اِتنی بے دردی سے ٹھیس نہیں پہنچا سکتا۔ اُنہوں نے اپنی ہر چیز سوائے آپ کے میرے اِختیار میں دے رکھی ہے۔ آپ اُن کی بیوی ... اُن کی عزت ہیں۔“ جب بیگم حضرت یوسف کے اَور قریب آئی تاکہ اُنہیں خاموش کرائے تو اُنہوں نے اپنا ہاتھ بلند کر کے اُسے رُک جانے کا اِشارہ کرتے ہوئے کہا، ”مجھے بات کرنے دیں۔ آپ کی ہوس

کو پورا کرنا صرف آپ کے شوہر کے خلاف ہی ایک شرم ناک فعل نہیں بلکہ میرے خدا کے نزدیک بھی بہت بڑا گناہ ہے۔"

اب بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر زور دار آواز میں چلّائی، "بکواس بند کرو! تمہیں میرے حکم کی تعمیل کرنا ہو گی!" وہ حضرت یوسف کا پیراہن پکڑنے کے دَرپے تھی۔ اُس نے اپنی پھُسلانے والی آواز سے اُن کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، "یوسف! ڈرو نہیں، آؤ! آؤ نا! میری بانہوں میں آ جاؤ۔ دیکھو مَیں کب سے تمہارا اِنتظار کر رہی ہوں۔"

حضرت یوسف نے خود کو اِس مکار عورت سے بڑی مشکل سے چھڑایا۔ اِس کش مکش میں اُن کے پیراہن کا پھٹا ہوا ٹکڑا بیگم کے ہاتھ میں رہ گیا اور خود اللہ کا بندہ وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔

بیگم کی تیز غصیلی آواز دُور تک حضرت یوسف کا پیچھا کرتی رہی، "مدد! مدد! دیکھو، یہ عبرانی لڑکا میرے ساتھ کیا کرنے کو تھا۔" اُس کی آواز میں ایک زخمی شیرنی کی غصیلی غراہٹ تھی۔ حضرت یوسف کا دل بُری طرح

سے دھڑک رہا تھا۔ ”نہ جانے اب فوطی فارمیرے ساتھ کیا سلوک کرے گا!“

قید

قریبی مندر سے اُبھرنے والے گھڑیال کی آواز اُس سرکاری جیل تک پہنچ رہی تھی جہاں حضرت یوسف قید تھے۔ نیا دن طلوع ہو رہا تھا۔ لیکن فرعون کے افسروں اور ملازموں کو اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہاں قید خانے میں تو چوبیس گھنٹے تاریکی کا راج رہتا تھا۔ اِس تاریکی میں خراٹے لینے اور دانت کچکچانے کی آوازیں صاف سنائی دیتی رہتی تھیں۔ کچھ آدمی تو گالی گلوچ کے اِس قدر عادی ہو چکے تھے کہ نیند میں بھی اُن کے غلیظ ہونٹوں سے گالیاں ہی نکلتی رہتی تھیں۔

سب قیدی بیرونی دُنیا کی گہما گہمی سے بے نیاز تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، صرف نئے قیدی حضرت یوسف نے گھڑیال کی یہ آواز سنی۔ کل کے افسوس ناک واقعے کی وجہ سے وہ ٹھیک سے سو بھی نہ سکے تھے۔ بیگم کی شہوت زدہ نگاہیں اور ہیجانی چیخیں ابھی تک اُن کے دل و دماغ کا پیچھا کر رہی تھیں۔ فوطی فار کے غصے نے اُنہیں اُن کوڑوں سے کہیں زیادہ اذیت دی تھی جو اُنہیں اِس غلیظ اورخستہ حال کوٹھڑی میں دھکیلے جانے سے پہلے لگائے گئے تھے۔ جب وہ بیٹھنے کی کوشش کرتے تو پیٹھ پر پڑے کوڑوں کے زخموں میں اِتنی تکلیف ہوتی کہ اُن کے سینے سے ایک درد ناک کراہ اُبھرتی۔ پیاس سے اُن کا دم نکلا جا رہا تھا اورسب سے بڑھ کرموت کا خوف سر پرسوار تھا۔

ایک سابق اعلیٰ افسر حضرت یوسف کو دیکھتے ہی چلّایا، "فرعون کے چہیتوں کی شاہی قبر میں خوش آمدید! سمجھو کہ تمہاری زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ یہاں سے اب تم سیدھے جہنم رسید ہو جاؤ گے۔ اور ہاں رہا تمہارا مقدمہ تو دو صورتیں ہیں: یا تو فراموش کر دیئے جاؤ گے یا پھر تم ہو گے اور پھانسی کا پھندا۔"

حضرت یوسف بڑے دُکھ سے سوچنے لگے، "افسوس، اچھے دن کتنی جلدی گزر گئے۔ کیا اللہ نے آخرکار مجھے چھوڑ ہی دیا ہے؟ کیا مجھے سیدھے راستے پر چلنے اور بے داغ زندگی بسر کرنے کی یہ قیمت ادا کرنی ہے؟"

اِس خیال کے آتے ہی اُنہیں گھر کی یاد بُری طرح ستانے لگی۔ کاش صرف ایک بار وہ اپنے باپ اور بھائی بن یمین سے مل سکتے! ایک بار پھر اُس خیمہ بستی میں جا سکتے جہاں ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں! تازہ ہَوا اور روشن دھوپ ہے! پھر اُنہیں اپنے قاتل بھائی یاد آئے کہ اُن ہی کی وجہ سے مجھ پر ہمیشہ کے لئے گھر کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اِس خیال سے اُن کے پورے وجود میں تلخی کا احساس اُبھر آیا۔ وہ سوچنے لگے کہ آخر اُن خوابوں کی کیا حقیقت تھی جن کے ذریعے اللہ نے اِتنے زور دار انداز میں میرے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ ایک دن مَیں ضرور سرفراز کیا جاؤں گا؟

اُنہیں پورا یقین تھا کہ جلد ہی مجھے پھانسی دی جائے گی۔ خدا؟ اب خدا کہاں ہے؟ لگتا ہے کہ میرے گرد تاریکی کا یہ حصار اَور تنگ ہوتا

جا رہا ہے۔ کہ اللہ اور آدمیوں سب نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ کیا مَیں تاریک قوتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گیا ہوں؟

قریب تھا کہ اُن کے ایمان کی کشتی مایوسی کے منہ زور دھارے میں بَہہ جاتی، لیکن پھر اللہ نے بڑی شفقت سے اُنہیں یاد دلایا کہ تُو نے تو ایک بہت بڑی فتح پائی ہے۔ آزمائش کے وقت تُو ثابت قدم اور خدا کے وفادار رہا ہے۔ حضرت یوسف نے محسوس کیا کہ اللہ ایک بار پھر میری ہمت بندھا رہا ہے تاکہ مَیں اُس کی راہوں پر چلتا جاؤں۔ اللہ خود میری عزت کا ضامن ہے۔ اُس کا یہ وعدہ میرے لئے ایک روشن حقیقت ہے۔ تب اُس غم زدہ اور گھائل نوجوان کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ اُنہوں نے دعا کی، "اے خدا! مَیں اگرچہ خالی برتن کی مانند ہوں، تاہم اِس مایوس کن کوٹھڑی میں بھی تیری خدمت بجا لاؤں گا۔"

حضرت یوسف کے ساتھ ایک ایک کرکے سب جاگ گئے تھے۔ کچھ تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ کسی کا مزاج اِنتہائی بگڑا ہوا تھا۔ اکثر لوگ ایک طویل و تاریک دن کے تصور سے ہی بہت مایوس دکھائی دے رہے تھے۔ پھر کسی نے پھبتی کَستے ہوئے کہا، "جب تک فرعون

کی پسند کا ناشتہ تمہیں مل نہ جائے اِنتظار کرو۔ پھر تمہارے مزاج ٹھیک ہو جائیں گے۔"

ایک اَور قیدی بڑی پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولا، "یوسف، مَیں شرط لگاتا ہوں کہ لوگ تمہاری بڑی باتیں بنا رہے ہوں گے۔ سچ بتانا بچّے، فوطی فار کی بیوی واقعی بہت خوب صورت ہے؟"

ایک اَور قیدی اُس پر برس پڑا، "اِسے مت چھیڑو۔ وہ عورت تو خواہ مخواہ اِس کی دشمن بن گئی ہے۔ اُف یہ غلیظ مصری! یہ تو اپنے دیوتاؤں کی طرح غلیظ ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر خود غرض اور حاسد۔ مَیں بھی اُن کے حسد ہی کی وجہ سے قید میں ہوں۔"

اِتنے میں ایک غلام نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھولا۔ کرخت چہرے والا یہ آدمی جب اندر داخل ہوا تو اُس کے ایک ہاتھ میں بالٹی اور دوسرے میں دھیما سا تیل کا چراغ تھا۔ سارے قیدی پانی لینے کے لئے اُس پر جھپٹ پڑے۔ وہ غلام غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اُنہیں مارنے اور چنگھاڑنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ پانی بانٹتا جاتا تھا۔ اُن قیدیوں کا اُس بدمزاج غلام کے ساتھ رویہ اِنتہائی بُرا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہال میں

ایسا ہنگامہ کھڑا ہوا کہ جیل کا داروغہ چار محافظوں کے ہمراہ آ پہنچا۔ جب اُس نے اِس سارے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تو غلام نے اُسے بتایا، "میرا ساتھی بیمار ہے اور مَیں اکیلا ایک وقت میں اِتنے سارے آدمیوں کو نہیں بھگتا سکتا۔"

داروغے بنام پانیب کی نگاہیں جا کر حضرت یوسف پر ٹھہر گئیں جو اِن تمام ہنگاموں سے الگ تھلگ خاموش بیٹھے تھے۔ اُن کے چہرے سے شرافت ٹپک رہی تھی۔ "آج سے کھانا بانٹنے میں تم اِس کی مدد کر دیا کرنا،" پانیب نے حضرت یوسف کو حکم دیا۔

چند ہی دِنوں میں اُس کے ساتھیوں کو ماحول میں بڑا فرق محسوس ہونے لگا۔ حضرت یوسف ہر ایک سے بڑا دوستانہ برتاؤ کرتے تھے۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے کھانا بانٹا کرتے تھے۔ اور ہر طرح سے پوری کوشش کرتے تھے کہ اُن کے لئے زندگی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنائیں۔ وہ اُن کی پریشانیوں کے بارے میں بھی اُن کی ہر بات سنتے جس سے اُنہیں بڑی تسکین ملتی تھی۔

رب خدا حضرت یوسف کے ساتھ تھا اِس لئے سارا کام بالکل ٹھیک طریقے سے ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ جیل کا داروغہ خود اُن کے کام کو آ کر سراہتا تھا۔ وہ جتنا اُن کو کام کرتے دیکھتا اُتنا ہی اُسے یقین ہو چلا تھا کہ اُنہیں جھوٹے الزام میں قید کیا گیا ہے۔

ایک روز صبح سویرے سپرنٹنڈنٹ کی طرف سے ایک محافظ حضرت یوسف کو بلانے کے لئے آیا۔ وہ اعلیٰ افسر دفتر میں نہیں تھا اِس لئے اُن کو اِنتظار کرنے کے لئے کہا گیا۔ کھڑکی میں سے سورج طلوع ہونے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اُنہوں نے سوچا، "روشنی! یہ بھی کیا نعمت ہے! روشنی اور محبت کے جہان سے اللہ مجھے خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ ایک دن مَیں خود بھی اُسی روشنی میں وہاں پہنچوں گا۔ لیکن فی الحال اللہ مجھے اُس جگہ جانے کے لئے تیار کر رہا ہے۔"

اِس خیال کے آتے ہی اُنہوں نے گہری سانس بھری اور پھر سوچا کہ ناشکرگزار نہیں ہونا چاہئے۔ کیا مجھے داروغے کا اِعتماد حاصل نہیں ہے؟ اُن کی نگاہیں سلاخ دار کھڑکی کے کونے پر جا کر ٹھہر گئیں جہاں ایک مکڑی بڑی مہارت سے اپنا جالا بُن رہی تھی۔ وہ اُسے بڑے غور

سے دیکھنے لگے تو اللہ نے اُن پر ظاہر کیا کہ مَیں بھی تیری زندگی میں ایک خوب صورت نقش بنا رہا ہوں جو ابھی تک اِنسانی نظروں سے اوجھل ہے۔ تیرا کام صرف یہ ہے کہ اپنے رب پر پورا پورا بھروسا رکھے۔

جب داروغہ پانیب دندناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو حضرت یوسف کے خوب صورت خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ محافظوں نے بڑی مستعدی سے اُسے سلامی دی۔ پھر سپرنٹنڈنٹ حضرت یوسف سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا، "تم غالباً یہ سننا پسند کرو گے کہ جب سے تم فوطی فار کی گھریلو زندگی سے الگ ہوئے ہو اُس وقت سے وہاں کے حالات بہت بگڑ گئے ہیں۔" وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

لیکن حضرت یوسف نے اِتنا ہی کہا کہ "اللہ اُنہیں خوش رکھے۔"

پانیب حیران ہوا۔ "اِس جیل میں تو لوگ نفرت اور غصے میں تباہ ہو جاتے ہیں، لیکن اِس کے برعکس تم تو پہلے سے بھی زیادہ سُلجھ گئے ہو۔" پانیب دل ہی دل میں مسکرا دیا اور بولا، "مَیں نے فوطی فار کے گھر میں تمہاری بہترین کارکردگی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ مجھے

بھی تم جیسے آدمی کی ہی ضرورت ہے۔ اِدھر آؤ۔ ذرا منشی کے کام کو ایک نظر دیکھ لو۔ آئندہ کے لئے یہ ذمہ داری تمہیں سونپی جاتی ہے۔" اُس نے یہ سب کچھ بڑی خوش اخلاقی سے حضرت یوسف کو بتایا۔

اپنے مفاد کے ساتھ ساتھ پانیب کو حضرت یوسف پر ترس بھی آتا تھا۔ "یقیناً فوطی فار اِسے یہاں بھیج کر بھول گیا ہو گا۔ اب یہ کبھی بُری نہیں ہو گا۔ اِس لئے یوسف کے ذہن کو مصروف رکھ کر اِس کے ساتھ نیکی کروں گا،" اُس نے ہمدردی سے سوچا۔

اُسی وقت ہال میں سے چیخنے چلاّنے کی آوازیں آنے لگیں۔ پانیب ایک دَم اُٹھ کھڑا ہوا اور محافظوں کی طرف مُڑتے ہوئے دہاڑا، "جلدی کرو۔ باہر سے بھی محافظوں کو اپنے ساتھ لے لو۔ تم اپنے آپ اِس باغی ہجوم سے نہیں نپٹ سکتے۔"

پانیب نے اپنے دونوں ہاتھوں سے زور زور سے دھڑکتے دل کو تھام لیا۔ "اُف! اِن سرکاری دشمنوں نے تو مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ مَیں اِن کی بغاوت کو کچل کے رکھ دوں گا۔ چمڑی اُدھیڑ ڈالوں گا اِن باغیوں کی۔"

حضرت یوسف نے بڑی ملتجی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے عرض کی، "جناب! اجازت ہو تو مَیں اِن سے بات کروں؟ مَیں اِن سب کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ اِن اندھیری کوٹھڑیوں میں رہ رہ کر وہ بیزار ہو گئے ہیں۔"

پانیب نے حضرت یوسف کو اُن کے منصوبوں سے باز رہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ پھر ذرا سوچ کر اُنہیں جانے کی اجازت دے ہی دی۔ محافظوں کے ساتھ وہ خود دروازے کے باہر ہی رُک گیا تاکہ کسی ناخوشگوار واقعے سے بروقت نپٹا جا سکے۔ ایک کان محافظوں نے دروازے سے لگا رکھا تھا۔ حضرت یوسف کی زنجیروں کی کھڑکھڑاہٹ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ کیا اب وہ اُن پر برس پڑیں گے؟ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی، بلکہ اِس کے بالکل برعکس سارا شور و غل یک دم موقوف ہو گیا۔

پانیب اپنے دفتر میں فاتحانہ انداز میں لوٹ آیا۔ اُس نے سوچا کہ فوطی فار کے نقصان میں میرا تو فائدہ ہو گیا۔ اب آئندہ مجھے کسی بھی چیز کی فکر نہیں رہے گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت یوسف تمام اُمور اِنتہائی

احسن طریقے سے نمٹانے لگے۔ جس طرح فوطی فار کے گھر میں اللہ اُن کے ساتھ تھا اُسی طرح جیل میں بھی تھا۔ ہر کام بڑے اچھے طریقے سے انجام پاتا رہا۔

ایک دن قیدی اُن کے پاس ایک دلیل لے کر آئے۔ فرعون کا ایک سابق افسر اصرار کر رہا تھا کہ اگر اچھی تعلیم، اچھا ماحول اور ضروریاتِ زندگی کے لئے وافر سرمایہ ہو تو بلاشبہ لوگ خوش رہ سکتے ہیں۔ اُن کا سرغنہ دل کھول کر ہنس پڑا۔ "پھر تو امیروں کے گھر جنت ہوئے نا! ارے بے وقوف، تمہاری کھوپڑی میں عقل ہے یا نہیں؟ عام لوگ اور غریب غلام اکثر اُن کے مقابلے میں جن کے پاس سب کچھ ہوتا ہے بہتر کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔"

حضرت یوسف نے سرغنے کی تائید کی، لیکن ساتھ ہی کہا، "صرف اُس آدمی کا دل حقیقت میں تبدیل ہوتا ہے جو اپنی زندگی زندہ خدا کے سپرد کر دے۔ جب آپ اُس کے ساتھ ساتھ چلیں گے تو وہ آپ کا

دل محبت، اِطمینان اور صبر سے معمور کر دے گا۔ اِس طرح خدا جہاں بھی آپ کو لے جائے گا آپ کی معرفت اُس مقام کو تبدیل کر سکے گا۔"

جس قیدی نے اِس موضوع پر گفتگو شروع کی تھی طنزاً کہنے لگا، "تم اُس خدا کی پیروی کرتے ہو نا جو لوگوں کو دوسروں پر ظلم و تشدد کرنے دیتا ہے۔"

حضرت یوسف نے بڑے دھیمے لہجے میں جواب دیا، "افسوس! تم میرے خدا کو نہیں جانتے۔ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ وہ سختی کے اِن دنوں کو اِس مقصد کے لئے استعمال کر رہا ہے کہ مَیں اُس کے اَور قریب ہو جاؤں۔"

"تم اپنے خدا سے محبت کرتے ہو؟" سرغنے کی آواز میں حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔ اُس نے اِس سے پہلے ایسی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں، کیونکہ دیوتاؤں سے لوگ ڈرا کرتے تھے، اُن سے محبت نہیں کرتے تھے۔

حضرت یوسف سیاست کے موضوع پر بھی اُن افسروں کی باتیں غور سے سنا کرتے تھے۔ اکثر اوقات فرعون اور اُس کے وزیروں کے بارے

میں گرما گرم بحث ہو جایا کرتی تھی۔ اُن کی صرف باتیں ہی سن کر حضرت یوسف نے مصری سیاست کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لیا۔

بہت ہی ناخوش گوار دن گزرے۔ ہر طرف تاریک سائے پھیلے ہوئے تھے۔ ایک دن سپاہیوں کا ایک دستہ دو قیدیوں کو لے کر جیل میں آیا۔ اُن میں سے ایک فرعون کا ساقی تھا اور دوسرا بیکری کا انچارج۔ فوطی فار خود اِن دو اہم شخصیات کو لے کر آیا تھا۔ یوسف نے حیرت سے اپنے سابق مالک کو دیکھا۔ وہ بڑی گرج دار آواز میں پانیب سے مخاطب ہو کر بولا، "اِن دونوں پر کڑی نظر رکھنا۔ یہ فرعون کے خلاف سازش کر رہے تھے۔" کچھ دیر رُک کر فوطی فار نے مکینوں کی فہرست طلب کی اور گرجا، "اچھا ٹھیک ہے۔ اگر تمہارے دفتر کا پہلا سا بُرا حال ہے تو بہتر ہے کہ چلتا بنوں۔"

"نہیں، نہیں، جناب،" پانیب نے فاتحانہ لہجے میں کہا، "جب سے مجھے ایک مددگار ملا ہے جیل میں ہر چیز بالکل منظم ہے۔ اب مجھے کوئی پریشانی نہیں۔ میرے تو دل کا درد بھی جاتا رہا ہے۔"

حضرت یوسف کا سانس اُوپر کا اُوپر ہی رہ گیا۔ وہ پریشان ہو گئے کہ کہیں وہ دفتر میں آ گئے تو ... تو کیا ہو گا!

فوطی فار کی بھاری بھرکم آواز میں حیرت کا تاثر نمایاں تھا۔ وہ غصے میں بولا، "جب سے تمہیں ایک مددگار مل گیا ہے! اُونھ، سمجھتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ابھی فہرست کو رہنے دو۔" فوطی فار وہاں سے یوں لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکلا جیسے اُس کے پیچھے کسی آسیب کا سایہ ہو۔

ساقی اور بیکری کے انچارج کے جیل میں آنے سے ہر طرف سے افسوس ناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دونوں فرعون کے محل میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ اُس کے دسترخوان کا سب اِختیار اُن کے ہاتھ میں تھا۔ قسمت کے اچانک اِس طرح پلٹا کھانے سے وہ آسمان سے زمین پر آ گرے تھے۔ عام طور پر اِس قسم کے اعلیٰ منصب لوگوں کے قریب آنا خاصا مشکل تھا۔ اب اِن کو بھی حضرت یوسف کے اِختیار میں دے دیا گیا۔ داروغے نے اُن کو سمجھا دیا کہ اگر تم اُن کا اچھی طرح خیال رکھو گے تو اِس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہو گا۔ کیا پتا شاید کسی دن تم اپنے عُہدوں پر بحال کر دیئے جاؤ۔

حضرت یوسف کے لئے اشارہ ہی کافی تھا۔ چند حوصلہ افزا الفاظ سے اُنہوں نے اُنہیں رام کر لیا۔ پھر اُن سے فرعون کے محل کی بدعنوانیوں کے قصے سنے۔ اُن کے قیام کے دوران حضرت یوسف نے اُن سے فرعون کے ملازموں، سیاست دانوں اور نجومیوں کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لیں۔

ایک صبح جب حضرت یوسف اُن سے ملنے آئے تو وہ دونوں بہت پریشان اور نہایت بیزار دکھائی دے رہے تھے۔ اُنہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے سلام کیا، لیکن ساقی اور بیکری کے انچارج نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت یوسف کو اُن کی اِس کیفیت کے بارے میں تشویش ہوئی۔ "جناب! آج آپ اِتنے پریشان کیوں ہیں؟"

ساقی نے بڑے دکھ سے سر کو جھٹکا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا، "ہم دونوں نے خواب دیکھا ہے۔"

بیکری کے انچارج نے اُنہیں اپنی اصل پریشانی سے آگاہ کیا، "اِس گھناؤنی جگہ میں تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتا سکے۔"

حضرت یوسف اُن کے پاس ہی بیٹھ گئے اور تسلی بھرے لہجے میں بولے، "اصل میں خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ آپ اپنے خواب تو مجھے بتائیے۔"

اِن باتوں سے ساقی کو کچھ حوصلہ ہوا اور اُس نے ہمت کرکے کہنا شروع کیا، "مَیں نے خواب میں اپنے سامنے انگور کی بیل دیکھی۔ اُس کی تین شاخیں تھیں۔ اُس کے پتے لگے، کونپلیں پھوٹ نکلیں اور انگور پک گئے۔ میرے ہاتھ میں بادشاہ کا پیالہ تھا، اور مَیں نے انگوروں کو توڑ کر یوں بھینچ دیا کہ اُن کا رس بادشاہ کے پیالے میں آ گیا۔ پھر مَیں نے پیالہ بادشاہ کو پیش کیا۔"

جب ساقی حضرت یوسف کو اپنا خواب سنا چکا تو بڑا سہما اور ڈرا سا اُن کے چہرے کو تکنے لگا۔ حضرت یوسف نے مسکراتے ہوئے یقین دلایا، "تین شاخوں سے مراد تین دن ہیں۔ تین دن کے بعد فرعون آپ کو بحال کر لے گا۔ آپ کو پہلی ذمہ داری واپس مل جائے گی۔ آپ پہلے کی طرح سردار ساقی کی حیثیت سے بادشاہ کا پیالہ سنبھالیں گے۔"

پھر حضرت یوسف نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "جب آپ بحال ہو جائیں تو میرا خیال کریں۔ مہربانی کرکے بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کریں تاکہ مَیں یہاں سے رِہا ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے عبرانیوں کے ملک سے اغوا کرکے یہاں لایا گیا ہے، اور یہاں بھی مجھ سے کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی کہ مجھے اِس گڑھے میں پھینکا جاتا۔"

ساقی نے بڑی گرم جوشی سے جواب دیا، "بے شک، مجھ پر بھروسا رکھو۔ اِس جگہ سے باہر نکل جاؤں تو سمجھو کہ تم بھی آزاد ہو گئے۔"

اب تو بیکری کے انچارج سے لمحہ بھر بھی صبر نہ ہو سکا۔ اُس نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کہا، "میرا خواب بھی سنیں۔ مَیں نے سر پر تین ٹوکریاں اُٹھا رکھی تھیں جو بیکری کی چیزوں سے بھری ہوئی تھیں۔ سب سے اوپر والی ٹوکری میں وہ تمام چیزیں تھیں جو بادشاہ کی میز کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ لیکن پرندے آ کر اُنہیں کھا رہے تھے۔"

اِس خواب کو سن کر حضرت یوسف میں ہمت نہ تھی کہ اُن پُراُمید آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے۔ لیکن ساتھ ہی وہ جھوٹ بول کر اُسے اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے بڑے دُکھ

سے کہا، "افسوس، تین ٹوکریوں سے مراد تین دن ہیں۔ تین دن کے بعد ہی فرعون آپ کو قیدخانے سے نکال کر درخت سے لٹکا دے گا۔ پرندے آپ کی لاش کو کھا جائیں گے۔"

بیکری کے انچارج کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ غصے سے چنگھاڑتے ہوئے بولا، "یوسف، تم ہمارے لئے اچھے خدمت گار تو ثابت ہوئے، لیکن جہاں تک خواب کی تعبیر کا تعلق ہے تم کچھ نہیں جانتے۔ بھول جاؤ ہمارے خوابوں کو۔"

لیکن آخر کار جیسے کہ حضرت یوسف نے اُن کے خوابوں کی تعبیر کی تھی ویسے ہی ہوا۔ ساقی تین دن بعد رِہا ہو گیا اور بیکری کا انچارج اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

اب حضرت یوسف بڑی بے چینی سے ساقی کے پیغام کا اِنتظار کرنے لگے۔ افسوس، دن گزرتے گئے لیکن کوئی پیغام نہ ملا۔ رفتہ رفتہ اُن کی بے چینی مایوسی میں بدل گئی۔ اُنہوں نے ایک بار پھر معلوم کر لیا کہ آدمیوں پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا، سب مطلبی یار ہوتے ہیں۔ لیکن ایک پُرانا سوال اُنہیں پھر پریشان کرنے لگا، "ایسے میں اللہ کہاں ہے؟

کیا اُس نے آخرکار مجھے بھلا ہی دیا ہے؟" اِن ہی خیالوں میں مزید دو سال کا طویل عرصہ بیت گیا۔

شاہی بلاوا

شہر دوپہر کی گرمی سے سُلگ رہا تھا۔ پھر بھی فوطی فار کی بیوی آج حسبِ معمول سو نہ پا رہی تھی۔ اُس کی لونڈی بشامہ سوچنے لگی، "آخر آج میری مالکہ کو کیا ہوا ہے؟ اُس کی طبیعت کی بے چینی اُس کی رنگین اور شوخ فطرت کے بالکل برعکس ہے۔" موسم کی شدت کی پروا کئے بغیر وہ خود کو اِدھر اُدھر کے کاموں میں مصروف رکھے ہوئے تھی۔ بشامہ کو اُسے غسل دینا اور مالش کرنا تھی۔ اور اب مرحلہ لباس کے اِنتخاب کا تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک لباس اُس کے آگے پڑا تھا، لیکن کوئی بھی اُس کی نظروں میں جچ نہیں رہا تھا۔ اور پسند بھی کیسے آتا، اُس کے خیالات

تو نہ جانے کہاں بھٹک رہے تھے۔ گزشتہ رات کئی ماہ کے بعد فوطی فار نے اُس کے سامنے یوسف کا ذکر چھیڑا تھا۔ اُس نے کن انکھیوں سے اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے یوں بات بڑھائی، "جب سے یوسف جیل گیا ہے وہاں کے حالات بالکل سُدھر گئے ہیں۔ پانیب بتا رہا تھا کہ اُس کی معرفت اُس کی قسمت ہی بدل گئی ہے۔"

بشامہ حیرت زدہ سی اُس کا منہ تکنے لگی۔ بیگم کی شعلہ سی آنکھیں اُس کے دل کی کیفیت کی غمازی کر رہی تھیں۔ اُسے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ چلّائی، "پھر کبھی اُس کا نام میرے سامنے نہ لینا۔ بہتر تو یہ ہے کہ ابھی اُس کا سر اُڑا دو۔" اُس کے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ مَیں اپنے شوہر کو کسی طور پر قائل نہ کر پاؤں گی۔

فوطی فار نے ایک پُرمعنی مسکراہٹ سے بیوی کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔

دل ہی دل میں بیگم نے قسم کھائی کہ اب سے مَیں اپنی نیم گرم ازدواجی زندگی کو بہتر بنانے کی پوری کوشش کروں گی۔

بشامہ اُس کے مزاج سے اچھی طرح سے واقف تھی۔ جب وہ بیگم کا جوڑا بنا رہی تھی تو اُس نے اُس کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرتے

ہوئے کہا، "آقا فوطی فار اِن دنوں اِنتہائی مصروف ہیں۔ فرعون کی حفاظت کی ذمہ داری بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔"

بیگم نے تائید کی اور گہری سانس بھری۔ "ہاں یہ تو ہے۔ اگر بادشاہ کو کچھ ہو گیا تو میرے شوہر کی جان کی خیر نہیں۔ نہ صرف وہ فرعون کے محافظوں پر مقرر ہیں بلکہ اُنہیں سرکاری جیل اور پھانسیوں کا بھی اِنتظام کرنا ہوتا ہے۔ کام اِتنا زیادہ ہے کہ میرے لئے تو اُن کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔"

بشامہ کی خوش گپیوں نے بیگم کے بوجھل خیالات پر ٹھنڈی پھوار کا کام کیا۔ وہ سونے کے اُس کمرے میں تھے جس میں اُس نے اپنی ہوس کی تسکین کے لئے حضرت یوسف کی معصومیت کو لُوٹنے کی کوشش کی تھی۔ اُس وقت سے وہ اُسے بھلانے کی اِنتہائی کوشش کرتی رہی تھی، لیکن بے فائدہ۔ اب بھی اُس کا خیال اُسے ستاتا رہتا تھا۔ جب سے اُس کے شوہر نے حضرت یوسف کا ذکر چھیڑا تھا اُس کا خیال پھر سے آسیب کی طرح اُس پر چھا گیا تھا۔ اِس احساس سے چھٹکارا پانے کے لئے اُس نے بشامہ سے کہا، "مجھے پالکی منگوا دو اور کہاروں کو بھی لے آؤ۔ مَیں

ماں سے ملنے جاؤں گی۔" اِس فیصلے پر وہ دبی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولی، "ماں کو اپنے آرام میں میری دخل اندازی کچھ اچھی تو نہیں لگے گی، پھر بھی کبھی کبھی بیٹی چاہتی ہے کہ وہ ماں سے مل کر ڈھیروں باتیں کرے۔"

ابھی وہ جانے کی تیاری ہی کر رہی تھی کہ اُسے گھوڑوں کے ٹاپوں اور رتھ کی چڑچڑاہٹ سنائی دی جو کہ صحن کے اندر داخل ہو رہا تھا۔ بیگم حیران ہوئی۔ "فوطی فار؟ اور اِس وقت؟" اُس نے اوپر جھروکے سے شوہر کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا، "یہ بے وقت آج گھر میں کیسے؟ میرے سرتاج! آپ تو بہت ہی تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔"

فوطی فار نے پسینہ پونچھتے ہوئے اُوپر دیکھا اور ہاں میں سر ہلاتے ہوئے جلدی سے اندر چلا گیا۔ اِس سے پہلے کہ وہ دیوان خانے میں داخل ہوتا بیگم جلدی سے نیچے اُتر کر آ چکی تھی۔ فوطی فار نے خود کو کُرسی پر گراتے ہوئے کہا، "ایک گلاس ٹھنڈا پانی۔ بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔"

بیگم کا اِشارہ پاتے ہی بشامہ پانی لینے چلی گئی۔ فوطی فار اپنی بھاری بھرکم آواز میں اپنی بیوی کو رُوداد سنانے لگا، "کیا بتاؤں محل میں تو میلا

لگا ہے۔ جادوگر، دانشور، نجومی اور نہ جانے کون کون محل میں اُمڈے پڑے ہیں۔" اُس نے ٹھنڈی سانس بھری، " کبھی کوئی آ رہا ہے کبھی کوئی۔ سب کے سب فرعون کے دو خوابوں کی تعبیر بتانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" پھر اُس نے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ "لگتا ہے دیوتاؤں نے کسی خاص وجہ سے اُن کے ذہن کُند کر دیئے ہیں۔"

بیگم نے لونڈی سے طشتری پکڑ لی اور بلّور کا جام فوطی فار کو تھماتے ہوئے چہک کر بولی، "جانِ من! آپ کا پسندیدہ مشروب۔ انگوروں کا رَس پی لو، طبیعت بحال ہو جائے گی۔" پھر اُس کے مقابل بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی، "اگر یہ سچ ہے کہ فرعون کی کئی دنوں سے بھوک اور نیند اُڑ چکی ہے تو پھر تو اُس کا مزاج آج کل بہت چڑچڑا ہو گا۔"

"نہیں اُسے بدمزاج نہیں کہا جا سکتا۔ خوش قسمتی سے بڑا اچھا بادشاہ ہے، ورنہ تو وہ مجھے اُن سب لوگوں کا سرقلم کر دینے کا حکم دے دیتا۔ دیوتا مجھے اِس خونی فعل سے بچائے رکھیں۔" فوطی فار نے اَور پینے کے لئے جام آگے بڑھایا۔ "پتا ہے بادشاہ بہت زیادہ پریشان ہے کیونکہ اِن خوابوں کی وجہ سے اُس پر بڑی دہشت چھا گئی ہے۔ جتنی دیر

ہوتی جا رہی ہے اُتنا ہی اُسے یقین ہو چلا ہے کہ دیوتا اُسے مصر پر نازل ہونے والی تباہی سے خبردار کر رہے ہیں۔ جب تک اِن خوابوں کی تعبیر واضح نہ ہو جائے تب تک اُسے چین نہیں آئے گا۔"

"کیا شہر ہیلیوپلس سے سورج دیوتا رَع کا پجاری بھی کچھ مدد نہیں کر سکا؟"

فوطی فار نے نفی میں سر ہلایا۔ "فوطیفرع بھی دوسروں کی طرح بالکل بے بس ہے۔"

اِتنے میں آنگن میں جوتوں کی زور دار آواز سنائی دی۔ ایک محافظ کو اندر لایا گیا جس نے بڑی پھرتی سے فوطی فار کو سلامی دی۔ "آقا! فرعون نے آپ کے لئے حکم نامہ صادر کیا ہے کہ جیل سے یوسف نامی قیدی کو فوراً دربار میں حاضر کیا جائے۔"

"یوسف؟" فوطی فار اُٹھ کر محافظ کے ساتھ چلنے لگا۔ یوسف کے نام کے ذکر کے ساتھ ہی بیگم بُری طرح سے چونکی جسے فوطی فار نے بھی بھانپ لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں طنزاً مسکرایا، "بے وفا عورت! ابھی بھی اِسے ڈر ہے کہ اِس کا گناہ ظاہر ہو جائے گا۔"

"بتاؤ تو سہی، اِس حکم کی وجہ کیا ہے؟" اُس نے محافظ سے معلوم کرنا چاہا۔

محافظ نے جلدی جلدی وضاحت کرتے ہوئے کہا، "سردار ساقی جو دو سال پہلے قید میں تھا، یہ سب کچھ اُسی کی وجہ سے ہوا ہے۔ جب وہ جیل میں تھا تو اُسی یوسف نے اُس کے اور بیکری کے انچارج کے خوابوں کی صحیح تعبیر بتائی تھی۔ چونکہ فرعون کے خواب کی تعبیر کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے اِس لئے سردار ساقی نے ہمت کرکے بادشاہ کو اُس قیدی کے بارے میں بتا دیا ہے۔ ظاہر ہے اِس وقت یوسف ہی فرعون کی آخری اُمید ہے۔"

فوطی فار حضرت یوسف کے بارے میں جتنا سوچتا اُتنا ہی زیادہ اُلجھتا جاتا تھا۔ وہ سوچنے لگا، "اپنے تمام تر اِختیار کے باوجود بھی مَیں اُسے جیل میں نہ رکھ سکا۔ کیا یہ سب کچھ اُس کے خدا کی وجہ سے تو نہیں؟ وہ خدا جس نے ہر حالت میں اُس کو کامیابی عطا کی؟ لگتا ہے اُس نے قید خانے کے دروازے اَب بھی اُس کے لئے کھول دیئے ہیں۔"

رتھ ایک جھٹکے کے ساتھ رُک گیا۔ فوطی فار سوچنے لگا کہ یوسف کو فرعون کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنانے میں کافی وقت لگے گا۔ ویسے بھی مَیں کس طرح اپنے پرانے اور قابلِ اعتماد غلام سے اِتنے برسوں بعد ملوں؟ لیکن اُس کی حیرت کی اِنتہا نہ رہی جب اُس نے حضرت یوسف کو پہلے کی طرح حلیم و شائستہ پایا۔ اُن کی آنکھوں میں نفرت کا شائبہ تک نہ تھا۔ اور سب سے عجیب بات یہ کہ فرعون کے بلاوے کی خبر سے اُس کو ذرا حیرت نہ ہوئی۔ فوطی فار پر ایک دفعہ پھر حضرت یوسف کا سحر چھا گیا۔ یوں لگتا تھا کہ اُن میں سے کوئی خاص قوت نکلی ہے جس نے مجھے جکڑ لیا ہے۔ جیل جیسی ناگوار جگہ میں تو صرف دیوتا ہی کسی کو اِتنی خوش مزاجی اور پختگی عطا کر سکتے ہیں۔

حضرت یوسف کی حجامت بنائی گئی اور کپڑے بدلوا کر اُنہیں فرعون کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ جب اُنہوں نے بادشاہ کے حضور جھک کر سلام کیا تو دربار میں موجود معززین میں سرگوشیاں ہونے لگیں اور اُمید کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کیا یہ بادشاہ کے خوابوں کی تعبیر بتا سکے گا؟ کیا پھر

سے مُلک میں اَمن ہو جائے گا ؟ اُن کے ذہنوں میں یہ سب سوالات ایک ایک کرکے اُبھرنے لگے۔

فرعون پر بے قراری کی کیفیت طاری تھی۔ وہ بے چینی کے عالَم میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اُس نے حضرت یوسف کے سامنے رُک کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ غلام کی آنکھوں میں بلا کی گہرائی تھی۔

بادشاہ قدرے شکایت آمیز لہجے میں کہنے لگا، "ہم نے ایک خواب دیکھا ہے، لیکن کوئی بھی اِس کی صحیح تعبیر نہیں بتا سکا۔" اچانک اُس کا لہجہ قدرے پُراُمید ہو گیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا، "تاہم مجھے بتایا گیا ہے کہ تم خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہو۔"

حضرت یوسف نے اپنا سر اوپر اُٹھایا اور بڑی عاجزی سے عرض کیا، "عالی جاہ! مَیں خود تو کچھ بھی نہیں کرسکتا، لیکن میرا خدا آپ کو اصل تعبیر سے متعلق تسلی بخش جواب دے گا۔" حضرت یوسف بالکل پُرسکون تھے۔ بولتے ہوئے اُن کی آواز میں کامل اِعتماد کی جھلک تھی۔ فرعون اور اعلیٰ افسران بھی اُس غلام کے بارے میں حیران تھے جو بلا جھجک، بے خوف اور بغیر سر جھکائے اُن سے مخاطب تھا۔

فرعون اپنے تخت پر جا بیٹھا اور آنکھیں بند کرکے کہنے لگا، " مَیں خواب میں دریائے نیل کے کنارے کھڑا تھا۔ اچانک دریا میں سے سات موٹی موٹی اور خوب صورت گائیں نکل کر سرکنڈوں میں چرنے لگیں۔ اِس کے بعد سات اَور گائیں نکلیں۔ وہ نہایت بدصورت اور دُبلی پتلی تھیں۔ مَیں نے اِتنی بدصورت گائیں مصر میں کہیں بھی نہیں دیکھیں۔ دُبلی اور بدصورت گائیں پہلی موٹی گائیوں کو کھا گئیں۔ اور نگلنے کے بعد بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اُنہوں نے موٹی گائیوں کو کھایا ہے۔ وہ پہلے کی طرح بدصورت ہی تھیں۔"

فرعون نے اپنی آنکھیں کھول لیں اور کچھ سوچنے کے بعد پھر اپنے ہاتھوں کو مَلتے ہوئے اپنا بیان جاری رکھا، "ہماری پھر آنکھ لگ گئی اور ہم نے ایک اَور خواب دیکھا۔ سات موٹی اور اچھی بالیں ایک ہی پودے پر لگی تھیں۔ اِس کے بعد سات اَور بالیں نکلیں جو خراب، دُبلی پتلی اور مشرقی ہَوا سے جُھلسی ہوئی تھیں۔ سات دُبلی پتلی بالیں سات اچھی بالوں کو نگل گئیں۔"

اب ساری نگاہیں حضرت یوسف پر گڑی تھیں۔ وہ بڑے اعتماد سے یوں گویا ہوئے، "عالی جاہ! سات سال آئیں گے جن کے دوران مصر کے پورے ملک میں کثرت سے پیداوار ہو گی۔ اُس کے بعد سات سال کال پڑے گا۔ کال اِتنا شدید ہو گا کہ لوگ بھول جائیں گے کہ پہلے اِتنی کثرت تھی۔ کیونکہ کال ملک کو تباہ کر دے گا۔ کال کی شدت کے باعث اچھے سالوں کی کثرت یاد ہی نہیں رہے گی۔ حضور کو اِس لئے ایک ہی پیغام دو مختلف خوابوں کی صورت میں ملا کہ اللہ اِس کا پکا ارادہ رکھتا ہے، اور وہ جلد ہی اِس پر عمل کرے گا۔"

اِنتہائی پریشانی کے عالَم میں فرعون نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ تمام معززین اور افسران بھی اپنے بادشاہ کی طرح کرب کا اِظہار کرنے لگے۔ صرف حضرت یوسف کا چہرہ پُرسکون اور پُراعتماد رہا۔ اُنہوں نے جب بادشاہ کو اِس بحران پر قابو پانے کے لئے اپنی بھرپور آواز میں مفید مشورہ دیا تو اُس کی جان میں جان آئی۔

حضرت یوسف بولے، "عالی جاہ! اب بادشاہ کسی سمجھ دار اور دانش مند آدمی کو ملکِ مصر کا انتظام سونپیں۔ اِس کے علاوہ ایسے آدمی مقرر

کریں جو سات اچھے سالوں کے دوران ہر فصل کا پانچواں حصہ لیں۔ وہ اُن اچھے سالوں کے دوران خوراک جمع کریں۔ بادشاہ اُنہیں اختیار دیں کہ وہ شہروں میں گودام بنا کر اناج کو محفوظ کر لیں۔ یہ خوراک کال کے اُن سات سالوں کے لئے مخصوص کی جائے جو مصر میں آنے والے ہیں۔ یوں ملک تباہ نہیں ہو گا۔"

حضرت یوسف کی بات سنتے ہی ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں آنے لگیں۔ حاضرین پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اِن الفاظ میں یوسف نہیں بلکہ یوسف کا خدا اُن سے مخاطب ہوا ہے۔ اگرچہ فرعون اور اُس کے ساتھیوں کو حضرت یوسف کی تجویز دل سے منظور تھی پھر بھی اُنہیں ڈر تھا کہ کہیں اِتنے بااِختیار منصب کے لئے وہ کسی غلط آدمی کا اِنتخاب نہ کر بیٹھیں۔ اُن کے غلط فیصلے سے پورا ملک تباہ ہو سکتا تھا۔ فرعون نے کچھ دیر اِس معاملے پر غور کیا۔ آخرکار وہ ایک فیصلے پر پہنچا۔ اُس کا چہرہ خوشی سے تمتما اُٹھا اور وہ حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا، "ہمیں یوسف جیسا آدمی جس میں اللہ کی روح ہے ہرگز نہیں ملے گا۔"

یہ سنتے ہی سارے دربار کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ فرعون نے اپنی وہ انگشتری جس پر شاہی مہر تھی اپنی اُنگلی سے اُتار کر حضرت یوسف کو دیتے ہوئے کہا، "مَیں آج سے تمہیں مصر کا حاکمِ ثانی بناتا ہوں۔ تمہارا نام صافنت فعنیح ہے" (یعنی اللہ نے کلام کیا ہے اور وہ زندہ ہے)۔ فرعون کے لہجے میں بلا کی چاشنی تھی۔

ہر طرف سے مبارک سلامت کی صدائیں اُٹھنے لگیں۔ "فرعون زندہ باد! حاکم زندہ باد!"

سورج دیوتا رَع کا پجاری فوطیفرع ایک پَل کے لئے بھی اپنی نظریں 30 سالہ عبرانی نوجوان کے چہرے سے نہ ہٹا سکا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ہی فرعون کی حضوری میں رہا ہو۔ حضرت یوسف بلاشبہ بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے۔ گٹھا ہوا جسم، ذہانت، حسن اور حلم و انکسار سب ہی کچھ تو تھا اُن میں۔ فوطیفرع کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اگلے ہی لمحے فرعون اُس کی بیٹی آسنَت کا ہاتھ یوسف کے لئے مانگ لے گا جو اَب مصر کا مختار بنا دیا گیا تھا۔ اِس طرح فرعون نے

حضرت یوسف کو فوطیفرع جیسے پجاریوں کے خاندان کے اعلیٰ طبقے کا فرد بھی بنا دیا۔

اُدھر حضرت یوسف کا ذہن بُری طرح چکرا رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سرکاری جیل میں قیدی تھے اور اب خود فرعون نے اُنہیں خاص قیمتی خلعت عطا کی تھی اور اُن کے گلے میں سونے کا گلوبند پہنا دیا گیا تھا۔ پھر اُنہوں نے فرعون کا اعلان سنا، "ہم چاہتے ہیں کہ سب لوگ اپنے نئے حاکم کا اِستقبال کریں۔"

پھر فرعون نے فوطی فار کو حکم دیا کہ وہ یوسف کو دوسرے شاہی رتھ میں بٹھا کر پورے شہر کا دَورہ کروائے۔ آگے آگے محافظوں کا ایک دستہ ہو جو اعلان کرتا ہوا جائے کہ "باادب! باملاحظہ! ہوشیار! حاکمِ مصر کی سواری آرہی ہے۔"

حضرت یوسف کو یقین نہیں آرہا تھا کہ قیدخانے کا دروازہ کتنی جلدی کھل گیا ہے۔ جب لوگوں نے اُنہیں گلیوں میں سے گزرتے ہوئے دیکھ دیکھ کر تالیاں بجائیں، خوشی سے نعرے لگائے اور رتھ کے آگے بچھ گئے تو اُن کا دل وفادار خدا کی تعریف سے بھر گیا جس نے کسی لمحے

بھی اُن کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔ جو وقت اللہ نے مقرر کر رکھا تھا سب کچھ مناسب طور سے بروقت انجام پا رہا تھا۔ اب اُن کے خواب جُزوی طور پر پورے ہو چکے تھے کیونکہ اَب وہ حاکم بن چکے تھے۔ ساتھ ساتھ اُنہیں خوب معلوم تھا کہ یہ اعلیٰ منصب مجھے اپنی خاطر نصیب نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے اپنے گھرانے سے پیشتر مصر میں اِس لئے بھیجا ہے کہ مَیں اُنہیں فاقہ کشی سے بچانے کے لئے پہلے ہی جگہ تیار کر لوں۔

اب حضرت یوسف کی شادی کی تیاریاں شاہانہ ٹھاٹھ سے شروع ہوگئیں۔ آسنَت کے ساتھ اُن کا بیاہ بڑی دھوم دھام سے انجام پایا۔ حضرت یوسف کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ آخر کار اُنہیں ایک ایسا دل مل گیا تھا جو صرف اُن کے لئے دھڑکتا تھا۔ ایک ایسا ساتھی مل گیا تھا جو صرف اُن سے محبت کرتا اور اُن کا شریکِ حیات تھا۔ لیکن ایسے میں وہ زیادہ وقت گھر پر نہیں گزار سکتے تھے۔ پہلے دو سال تو اُنہیں بہت زیادہ دَوروں پر جانا پڑا۔

حضرت یوسف نے کسانوں کو فصلوں پر زیادہ سے زیادہ کام پر مامور کئے رکھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کھیتوں سے وافر مقدار میں غلّہ حاصل کیا

جائے۔ اِس لئے وہ اور اُن کے افسران کھیتی باڑی کی زیادہ مفید زرعی تکنیک سکھانے میں مصروف ہو گئے۔ کسانوں نے پیداوار کو محفوظ اور ذخیرہ کرنا بھی سیکھ لیا۔ اُنہیں تربیت دینے کے بعد حضرت یوسف کو اناج کے گوداموں کی تعمیر کی نگرانی بھی کرنی پڑی۔ پھر وہ بڑی محنت مشقت سے ہر کٹائی کی پیداوار کا پانچواں حصہ جمع کرنے لگے۔ یوں وہ قوم کو عظیم تر بحران سے بچانے کے لئے اپنی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔

بہت سے مصری معززین اِس اجنبی سے جسے اِتنے اعلیٰ عُہدے پر فائز کر دیا گیا تھا حسد کرنے لگے۔ متعدد ایسے لوگ بھی تھے جو اِس پردیسی غلام کو حاکم کے عُہدے پر پا کر غصے ہوئے۔ تاہم حضرت یوسف اُن ہی کے سامنے کمال وفاداری سے اپنے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے رہے۔ اللہ اِس مشکل وقت میں اُن کے ساتھ تھا اور اُنہیں برکت دیتا تھا۔

خوش حالی کے اِن سات سالوں میں اللہ نے اُنہیں دو بیٹوں سے نوازا۔ پہلے بیٹے کا نام اُنہوں نے مَنسّی رکھا جس کا مطلب ہے بھلا دینا اور دوسرے کا اِفرائیم یعنی پھل دار۔

ایک بار کافی دِن باہر رہنے کے بعد جب حضرت یوسف گھر پہنچے تو ہلچل سی مچ گئی۔ مَنسّی اور افرائیم دوڑتے ہوئے آئے اور باپ نے دونوں کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"شکر ہے کچھ دیر کے لئے آپ گھر تو آئے۔ یقین جانیں مجھے آپ بہت یاد آتے ہیں" آسنت نے کہا۔

جب دونوں بچے جا کر سو گئے تو والدین نے اُن پر پیار بھری نظر ڈالی۔ حضرت یوسف نے اپنی بانہیں اپنی چہیتی بیوی کے گرد حمائل کر دیں اور کہنے لگے، "تم سب مجھے بہت عزیز ہو۔ اللہ نے غلامی کے دِنوں اور گھر کی اُداس اور تاریک یادوں کا کانٹا میرے دل سے نکال دیا ہے۔ اِس کے علاوہ مَیں اِس اجنبی دیس میں بہت زیادہ سرفراز ہوا ہوں۔"

آسنَت نے معنی خیز انداز میں اُن کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا، "مَنَسّی کے بابا! ساتھ ہی آپ اپنے باپ اور بھائیوں سے ملنے کے لئے کتنے بے چین ہیں۔ ہیں نا ؟ آپ اُنہیں یہاں بلا کیوں نہیں لیتے؟"

حضرت یوسف نے بڑے کرب سے جواب دیا، "جہاں تک میرے بابا کا تعلق ہے، اُن کے لئے تو مَیں برسوں پہلے مر چکا ہوں۔ آسنَت! مَیں نے جہاں اِتنا اِنتظار کیا ہے تھوڑا اَور اِنتظار کر لوں گا۔ خدا ہر کام اپنے وقت پر کرتا ہے۔ مجھے اپنے خواب سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک دن میرے بھائی میرے آگے جھک کر سجدہ کریں گے۔" یہ کہتے ہوئے اُن کے چہرے پر غم کے گہرے سائے چھا گئے اور بات جاری رکھتے ہوئے بولے، "اِس سے پہلے کہ ہمارا آمنا سامنا ہو، اُنہیں میرے ساتھ کئے ہوئے اپنے سنگین گناہ کا احساس کرنا ہو گا۔ اُنہیں مجھ تک اور اللہ تک پہنچنے کے لئے توبہ کرنی ہو گی۔" حاکمِ مصر حضرت یوسف نے اپنے سوئے ہوئے بیٹوں پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی، "مجھے اُس دن کا شدت سے اِنتظار ہے۔"

حیرت انگیز ملاقات

قحط کے تباہ کن اثرات نہ صرف مصر پر بلکہ کنعان پر بھی پڑے۔ حضرت یعقوب اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھے مغرب میں ڈوبتے ہوئے آتشیں گولے جیسے سورج کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کے خیالات ماضی کے خوش گوار دنوں میں بھٹک رہے تھے جب راخل، لیاہ اور یوسف زندہ تھے۔ یوسف کو تو تقدیر نے کتنی بے رحمی سے اُن سے چھین لیا تھا۔ حضرت یعقوب نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "سب تو جا چکے ہیں، مجھ سے کہیں دُور۔ اب میری باری آئے گی۔ مَیں کتنا دُکھ بھرا دل لے کر جاؤں گا! اور اِس ساری مصیبت کے ذمہ دار میرے

جھگڑالو اور اکھڑ بیٹے ہیں۔ اللہ اپنا وعدہ کیسے پورا کرے گا ؟ اِن لڑکوں میں سے ایک قوم کیسے بنا پائے گا ؟"

اِس خیال کے آتے ہی اُنہوں نے اپنا دُکھتا ہوا سر اپنے لاغر ہاتھوں میں تھام لیا اور کراہتے ہوئے بولے، "اے خدا! تُو نے میرے پرانے دل کو بدل ڈالا ہے۔ تُو اُن کے دل بدلنے پر بھی قادر ہے۔ لیکن اے رب! مجھے ڈر ہے کہ جلد ہی کنعانی ہم پر چڑھ آئیں گے۔ ہم تو اِس سرزمین پر اجنبی ہیں۔ وہ تو پہلے ہی ہمیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آخر ہم اُن کی چراگاہوں میں اپنے ریوڑ چراتے ہیں۔ اے رب! مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اُن کے دل جیتنے کے لئے میرے بیٹے اُن بت پرستوں کے ساتھ شادیاں نہ رچا لیں۔ اے رب! آخر ہم جان بچا کر جائیں تو کدھر جائیں؟ تُو ہی ہماری راہنمائی کر، رب۔"

بن یمین جو اَب تیس سالہ کڑیل جوان تھا باپ کو خبردار کرنے کے لئے کھنکارا۔ دن غروب ہوتے وقت وہ اکثر اِس جگہ اپنے تنہا باپ کے پاس آ بیٹھتا تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اُس نے اپنے دل کا درد اپنے باپ کے آگے اُنڈیل دیا، "بابا! میری سمجھ میں نہیں آتا، کیا زندہ

خدا نے ہمیں چھوڑ دیا ہے؟ یہ قحط آخر ہمیں کہاں تک لے جائے گا ؟ آج بھی بہت سے مویشی بھوک سے مر گئے ہیں۔ اور جو بچ رہے ہیں، اُن کی بھی بُری حالت ہے۔" اُس نے بے تابی سے اپنے باپ کی آنکھوں میں جھانکا۔ "آپ کو کچھ خبر ہے، اب تو ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں رہا ؟ چھوٹے بڑے سب ہی فاقوں سے ہیں۔ ہمارے کچھ نوکر بھی بھوک اور بیماری سے موت کا شکار ہو رہے ہیں۔"

حضرت یعقوب غصے میں آ گئے۔ وہ بُڑبڑائے، "بس اَب ایک ہی راستہ ہے۔ ساری دُنیا اناج خریدنے مصر جا رہی ہے، لیکن میرے بیٹے، وہ تو فقط بڑبڑ باتیں ہی بنا سکتے ہیں کہ 'اللہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے'۔" بزرگ کی آواز اَور بلند ہوگئی، "اللہ اُن سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنی خوراک کے لئے خود کچھ کریں۔ اُسے سُستی پسند نہیں ہے۔"

بن یمین نے سر ہلایا، "میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر میرے بھائی مصر جانا کیوں پسند نہیں کرتے! بھائی شمعون کے بیٹے نے مجھے بتایا کہ اُس کے باپ کو تو ہر رات مصر کے ڈراؤنے خواب آتے ہیں اور ہمیشہ اُن کا انجام ایک سا ہی ہوتا ہے۔ وہ پسینے سے شرابور یوسف کو پکارتے

ہوئے اُٹھ بیٹھتا ہے۔" پھر بن یمین نے اپنے باپ سے اِلتجا کی، "بابا! مجھے ہی چند آدمیوں کے ساتھ مصر جانے کی اجازت دے دو۔ ہمیں جلد ہی کچھ کرنا ہو گا ورنہ سب برباد ہو جائیں گے۔"

یہ سنتے ہی حضرت یعقوب بڑی گرم جوشی سے بولے، "نہیں! تم یہیں رہو گے۔ مَیں تمہارا نقصان برداشت نہیں کرسکتا۔ تمہارے بھائی مصر جائیں گے۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میری برداشت سے باہر ہو گا۔ مَیں حیران ہوں کہ یعقوب کے بیٹے اِس قدر ڈھیلے کیوں ہیں!"

آخرکار حضرت یعقوب کے کہنے پر اِتنا تو ہوا کہ بن یمین کے بھائی اپنے گدھے لے کر بادِلِ نخواستہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ مصر کی طرف جاتے وقت ہر ایک کو دل ہی دل میں حضرت یوسف یاد آ رہے تھے۔ 25 برس پہلے اُن کو بھی اِسی طرح مصر جانا پڑا تھا۔ اُس وقت سے اُن میں سے کسی نے بھی اپنے چھوٹے بھائی کے نام کا ذکر تک نہ کیا تھا۔ لیکن اِس کے باوجود یوسف کا نقش اُن کے ذہنوں پر ثبت رہا۔ اکثر اُن کے بھائی کی وہ حالت اُن کی نگاہوں میں پھرتی رہتی تھی جب وہ اُن سے گڑگڑا کر رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔

دان نے بجھے دل سے کہا، "بابا نے بن یمین کو ہمارے ساتھ بھیجنے سے اِنکار کیا۔ اُس کا ہم پر اَب بھی کوئی اِعتماد نہیں۔"

یہوداہ نے اِعتراف کیا، "ہم اِسی سلوک کے مستحق ہیں۔ کم ازکم بن یمین کے ساتھ رہنے سے بابا کو تسلی رہتی ہے۔"

لاوی نے بڑی ڈِھٹائی سے کہا، "بھلا یہ کیوں؟ کیا بابا کو اپنے زندہ خدا پر بھروسا نہیں رہا کہ وہ بن یمین کو بحفاظت گھر واپس لے آئے گا؟"

یہوداہ نے لاوی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ "بابا کے ایمان پر نکتہ چینی کرنے کی پھر جرأت نہ کرنا۔ اللہ پر اُن کا ایمان بہت پختہ ہے۔ دیکھتے نہیں کہ وہ کس طرح اُس کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے آرزو مند رہتے ہیں؟ سالوں سے وہ باقاعدہ ہمارے گناہوں کی نشان دہی کرکے ہمیں بھی بدی سے روکتے رہتے ہیں۔" پھر ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، "کاش مَیں بھی زندہ خدا کو ویسے ہی جانوں جیسے بابا جانتے ہیں۔"

حضرت یعقوب کے گھرانے کا ہر فرد قحط کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ لیکن اِس میں بھی اللہ کی حکمت تھی۔ وہ اُنہیں اپنے وطن سے نکال

کرحضرت یوسف کی طرف لے جا رہا تھا۔ اگرقحط اِتنا مہلک نہ ہوتا تو وہ ہرگز مصر نہ جاتے۔

دورانِ سفر ایک رات بھائیوں کی ملاقات مدیانی تاجروں سے ہوئی۔ اُنہوں نے اُن کے ساتھ مل کر خیمے گاڑے۔ جب وہ آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے تھے تو ہیفر نامی ایک تاجر نے اُنہیں مشورہ دیا کہ وہ مصر پہنچتے ہی حاکم بنام صافنت فعنیخ کو تلاش کریں۔ "وہ فرعون کے شہر میں اناج کے کسی گودام میں ہی ہو گا۔" ہیفر نے مزید کہا، "اِتنے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے باوجود حاکم بڑا بااَخلاق شخص ہے۔ عام آدمی سے بھی ایسے گفتگو کرتا ہے جیسے وہ خود بھی اُن ہی میں سے ایک ہو۔"

دان نے بھنویں چڑھاتے ہوئے پوچھا، "لیکن ہم حاکمِ مصر کو پہچانیں گے کیسے؟"

ہیفر نے جواب دیا، "اُسے پہچاننا بہت آسان ہے کیونکہ پوری رعایا میں اُس جیسا حلیہ کسی کا نہیں ہے۔ صافنت فعنیخ اِنسانی جسم میں دیوتا ہے۔ وہ سفید براق شاہی لباس پہنتا ہے۔ اُس کے کمر بند میں ایک

جڑاؤ خنجر لٹک رہا ہوتا ہے۔ اُس کے کندھوں کے گرد ایک مختصر لبادہ ہوتا ہے، اور اُس کے گلے میں ایک بڑا سا سونے کا گلوبند جھلملاتا ہے۔"

یہ کہہ کر ہیفر کافی دیر تک آگ کو گھورتا رہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا، "کوئی بھی اُس سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا، کیونکہ وہ اِنسان کے خیالات پڑھ لیتا ہے۔ یہی وہ آدمی ہے جس نے فرعون کو قحط کے بارے میں پیش گوئی کی تھی۔ اُسی کی دُور اندیشی کے باعث مصر قحط کا سامنا کرنے کے لئے پوری طرح تیاری کر پایا ہے۔"

ایک دوسرے تاجر نے دلیل دی، "مَیں نے سنا ہے وہ پیدائشی غیر ملکی ہے۔"

آگ کو کریدتے ہوئے یہوداہ کہنے لگا، "اگر غیر ملکی ہے تو پھر اِس میں اپنا ہی فائدہ ہے۔ مصری عبرانیوں کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اللہ کرے ہمارے خریدنے کے لئے کچھ اناج بچ گیا ہو۔"

ہیفر نے اُسے تسلی دی، "مختارِ مصر فراوانی کے سات سالوں میں بہت ہی مصروف رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ اُس نے ریت کے ذرّوں کی مانند اناج جمع کیا ہے۔ فرعون کا اُس پر بھروسا کرنا بجا ہے۔ وہ اپنے کام

کو کمال وفاداری اور دیانت داری سے کرتا ہے۔ ہاں، وہ لوگوں کا سچ مچ بہت خیال رکھتا ہے۔"

اِن باتوں سے دس بھائیوں کی بڑی ڈھارس بندھی۔ صبح کو وہ اپنے گدھے لے کر جلد ہی فرعون کے شہر میں داخل ہوئے۔ یوسف کا آسیب بُری طرح اُن پر مُسلّط تھا، یہاں تک کہ پھاٹک میں داخل ہونے پر راستے میں آنے والے دیوتاؤں کے سنہرے مندروں پر بھی اُن کی نظر نہ پڑی۔ ساتھ ساتھ وہ 40 سالہ غلاموں کے چہروں کو بھی دیکھتے جاتے تھے۔ اُن پر یہ خوف طاری تھا کہ کہیں اُس بھائی سے ملاقات نہ ہو جائے جسے ہم نے غلام بنا کر بیچ ڈالا ہے۔ ایک دفعہ تو ایک غلام اُن پر برس ہی پڑا۔ اُن کو گھورتے ہوئے بولا، "غیرملکی بھکاریو! تم نے کبھی آدمی نہیں دیکھے؟ دفع ہو جاؤ۔"

اب تو حضرت یعقوب کے بیٹوں میں زبردست جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہر کوئی دوسرے پر الزام لگانے لگا۔ یوں وہ لڑتے جھگڑتے اناج کے ایک گودام کے پاس جا پہنچے۔ تب یہوداہ نے منت کی کہ جھگڑا ختم کر کے اپنے بہترین کردار ادا کرو! اگلے ہی لمحے وہ سینکڑوں مردوں اور عورتوں

کے ہجوم میں شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا کہ یہاں صرف ہم ہی غیر ملکی نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی بہت سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ رُوبن نے کسی نہ کسی طرح حاکمِ مصر کو فوراً ڈھونڈ نکالا۔ اب اُس کا گٹھا ہوا جسم سب کو نظر آیا — ایسا شکیل نوجوان بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ اُس کے پیچھے اعلیٰ افسران کی قطار لگی تھی جبکہ ساتھ ساتھ چلنے والا غالباً اُس کا ترجمان تھا۔ حاکم کو عام لوگوں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر دل خوش ہو جاتا تھا۔

تمام بھائی یہوداہ کی قیادت میں اُس عظیم شخصیت سے ملنے کو آگے بڑھے۔ وہ اُنہیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا، لیکن اچانک یہ نرمی سختی بلکہ غصے میں بدل گئی۔ بھائی گھبرا گئے۔ کیا ہو رہا تھا؟ لگ رہا تھا کہ وہ اُن پر کوئی سنگین جرم عائد کر رہا ہے۔ سب بھائی اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل گر کر اُس کی جھڑکیوں کے تحت پانی پانی ہو گئے: ”تم ہمارے ملک کی جاسوسی کے لئے آئے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟“

جو آدمی حضرت یوسف کی باتوں کا ترجمہ کر رہا تھا وہ حیران تھا کہ حاکم خود اُن سے براہِ راست عبرانی میں بات کیوں نہیں کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اُن کی زبان روانی سے بول سکتا ہے۔ اُس نے اپنے آقا کا ایسا مزاج اِس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

جب گھبرائے ہوئے بھائی اُن کے سامنے زمین پر دوزانو ہوئے تو حضرت یوسف کو عرصہ پہلے کا خواب یاد آیا۔ اب وہ پورا ہو چکا تھا۔ اُن کے بھائی اُن کے سامنے سر جھکائے ہوئے تھے۔ اُن کے دل میں جذبات کا طوفان اُمڈ رہا تھا —آرزو، اِطمینان، اِنتقام کی آزمائش، رحم۔ اُن کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُن کا جی چاہتا تھا کہ تمام طرح کی رکاوٹ ایک طرف کر کے اُنہیں فوراً گلے لگا لیں، لیکن وہ جانتے تھے کہ اُن کا یہ رویہ بھائیوں کے حق میں اچھا نہ ہو گا۔ حضرت یوسف کو اپنا دل سخت کرنا پڑا تاکہ اُن کے بھائی ہوش میں آئیں اور اپنی بُری زندگی کا سامنا کریں۔ اُنہوں نے بھائیوں پر ایک مضطرب نگاہ ڈالی اور فوراً جان لیا کہ بن یمین اُن میں نہیں ہے۔ "تو کیا اُنہوں نے اُسے بھی مار ڈالا؟"

دوسری طرف اُن کے بھائی شدید صدمے کا شکار تھے۔ جاسوسی کے اِلزام میں تو اُنہیں فوراً موت کے گھاٹ اُتارا جا سکتا تھا۔ موت کے خوف سے وہ تھرتھر کانپنے لگے۔ یہوداہ نے اُن سب کی طرف سے جلدی سے جواب دیتے ہوئے کہا، "آقا! ہم جاسوس نہیں بلکہ کنعان سے اناج خریدنے آئے ہیں۔"

لیکن حضرت یوسف اِصرار کرتے رہے، "نہیں، تم دیکھنے آئے ہو کہ ہمارا ملک کن کن جگہوں پر غیرمحفوظ ہے۔"

خوف کے اِس عالَم میں بھائیوں کو اچانک حضرت یوسف یاد آ گئے۔ تقریباً 25 برس پہلے اُنہوں نے بھی چھوٹے بھائی پر یہی سنگین الزام لگایا تھا کہ تم باپ کی طرف سے ہماری جاسوسی کرنے کے لئے ہمارے پیچھے آئے ہو۔ یہوداہ نے ایک بار پھر ہمت کرکے کہا، "نہیں میرے آقا! ہم جاسوس نہیں ہیں۔ ہم ایمان دار آدمی ہیں۔ ہم سب بھائی ہیں۔ یقین کیجئے، ہم صرف اناج لینے آئے ہیں۔"

"ہم ایمان دار آدمی ہیں۔" یہ الفاظ حضرت یوسف کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اُتر گئے۔ تو کیا اِنہوں نے جو کچھ اپنے بھائی

یوسف کے ساتھ کیا تھا سب بھلا دیا ہے؟ ظاہر تھا کہ ہوش میں آنے کے لئے اِنہیں ابھی زلزلے کے سے جھٹکے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا حضرت یوسف نے اِنتہائی سخت لہجے میں کہا، "نہیں! تم ہمارے ملک میں جاسوسی کرنے ہی آئے ہو۔"

موت کے دہانے پر کھڑے ہو کر اب اُن کا احساسِ جرم بھڑک اُٹھا۔ یہوداہ نہایت مُلتجی انداز میں چلّانے لگا، "میرے آقا! ہم کُل بارہ بھائی تھے، کنعان کے ایک باسی کے بیٹے۔ ایک بھائی مر چکا ہے اور سب سے چھوٹا ہمارے باپ کے پاس ہے۔"

اُن کے دل بُری طرح دھڑک رہے تھے۔ سب محسوس کر رہے تھے کہ اللہ ہمیں ہمارے اُس سنگین گناہ کی سزا دے رہا ہے۔ بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا کیونکہ حاکمِ مصر کی آواز کی گرج ابھی تک سنائی دے رہی تھی، "مَیں کہہ رہا ہوں تم جاسوس ہی ہو۔ اِس سلسلے میں تمہاری باتوں کو اِس طرح پرکھا جائے گا کہ جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں آ نہیں جاتا تم یہاں سے نہیں جا سکتے۔ تم میں سے ایک واپس جا کر اُسے لے آئے۔ باقی اُس وقت تک نظر بند رہیں گے جب تک

تمہاری باتیں سچ ثابت نہ ہو جائیں۔" یوں لگتا تھا کہ اُن کی اِلتجا کا حاکم پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ تین دن تک اُنہیں حراست میں رکھا گیا۔ حقیقت میں بھائیوں سے ایسا سلوک کرکے حضرت یوسف کو بہت دُکھ ہو رہا تھا۔

اب اُن کا رُتھ اُن کے محل میں داخل ہوا۔ اِس شام غلاموں اور دیگر اہل کاروں نے اُن کے رویے میں فرق کو فوراً بھانپ لیا۔ اُن کے آقا کے بوجھل قدموں سے ظاہر تھا کہ اُن کے ذہن پر ایک بڑا بوجھ ہے۔ اُنہیں کیا معلوم تھا کہ وہ اپنے بھائیوں سے ملے اور اُن کی ملاقات اور اُن کے ساتھ سخت رویے نے اُنہیں اِتنا توڑ دیا ہے۔ حضرت یوسف محسوس کر رہے تھے کہ اللہ مجھے بھائیوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے استعمال کر رہا ہے تاکہ وہ ایک بڑی قوم بن سکیں۔

آسنَت اپنے چھوٹے بیٹوں کے ساتھ بچوں کے کمرے میں تھی۔ جب حضرت یوسف نے مَنسّی کو اپنے ننھے بھائی کو بوسہ دیتے اور اُس

کے ساتھ کھیلتے دیکھا تو بے اِختیار مسکرا دیئے۔ وہ بڑی سنجیدگی سے بولے، "خدا کرے تم ہمیشہ اپنے بھائی سے اِسی طرح محبت کرتے رہو۔"

آسنَت نے دل سے "آمین" کہا۔ وہ جانتی تھی کہ اِس وقت میرا خاوند اپنے بھائیوں کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جب حضرت یوسف نے اَنّا کو کچھ دیر کے لئے باہر جانے کو کہا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ تنہائی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ اپنے خاوند کی قربت کے یہ لمحے اُس کے نزدیک کتنے بیش قیمت تھے! حضرت یوسف نے مَنسّی کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے بھائیوں سے ملاقات کا ذکر چھیڑ دیا۔

آسنَت کہنے لگی، "میرے سرتاج، آپ تو عرصے سے اُن کے منتظر تھے، ہے نا ؟ اور ہمیشہ یہی دعا کرتے رہتے تھے کہ وہ جلد آملیں۔"

"ہاں! مَیں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ اُس وقت میری کیا کیفیت تھی۔ اوہ! خون کے یہ رشتے بھی کتنے مضبوط ہوتے ہیں! ہم آمنے سامنے تھے، ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہے تھے، پھر بھی ایک دوسرے سے کتنے دُور تھے! ہمارے درمیان گناہ کی

دیوار حائل تھی۔ اُن کے بھلے کی خاطر مجھے اپنا دل سخت کرنا پڑا۔ اگر اُنہیں فوراً بتا دیتا کہ مَیں یوسف ہی ہوں اور اُنہیں وافر مقدار میں اناج دے دیتا تو وہ محض خوراک کی وجہ سے مجھ سے محبت کرنے لگتے۔"
آنسو اُن کے رُخساروں پر بہنے لگے۔ "سچ تو یہ ہے کہ مَیں آج بھی اپنے بھائیوں کو اُسی طرح ڈھونڈ رہا ہوں جیسے سِکم میں پہنچ کر ڈھونڈا تھا۔ لیکن مجھے اُن کا دل چاہیئے، اُن کی محبت چاہیئے۔" اُنہوں نے بڑے خلوص سے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی، "ابھی اِس بات کی ضرورت ہے کہ اللہ اُن کے دلوں میں ایک بڑا معجزہ کرے۔ مجھے نہ تو اِتنی جلدی کرنی ہے کہ اللہ سے آگے نکل جاؤں اور نہ ہی پیچھے رہنا ہے۔ مجھے گویا اُس کے قدموں سے قدم ملانے ہیں۔ ابھی بہت کچھ ہونا ہے۔ خدا کو بھی اُن کا دل اور اُن کی محبت مطلوب ہے۔"
آسنت کو اپنے شوہر پر ترس آ رہا تھا۔ وہ ہمدردی سے بولی، "مَنسّی کے بابا! اِس وقت تو آپ کے لئے اُن کا نظر بند ہونا ہی بہت

اذیت کا باعث ہو گا ... ہے نا ؟ آگے اُن کے بارے میں آپ کا اِرادہ کیا ہے؟"

"تین دن تک تو مَیں اُن کو غیر یقینی کی اِس حالت میں حراست میں رکھوں گا۔ اِس دوران مَیں اِس اُمید کے ساتھ دعا کرتا رہوں گا کہ اللہ اُن کے دلوں سے ہم کلام ہو۔ پھر مَیں شمعون کو اُن کی نظروں کے سامنے رسیوں سے جکڑ کر قید میں ڈالوں گا۔ اُمید ہے کہ یہ دیکھ کر اُنہیں اُس الم ناک دن کی یاد ستانے لگے گی جب اُنہوں نے مجھے باندھ کر بیچ دیا تھا۔ باقی بھائیوں کو مَیں اپنے فاقہ زَدہ گھرانے کے لئے اناج دے کر گھر روانہ کر دوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ جلد ہی وہ اپنے بھائی بن یمین کو لے کر لوٹ آئیں گے۔"

آسنَت نے مسکرا کر اُن کے چہرے پر نظر ڈالی، "خدا کرے کہ یہ وقت بھی جلد گزر جائے۔ مجھے تو آپ کے بوڑھے باپ کا خیال آ رہا ہے۔ ایک بار پھر اُنہیں ایک بیٹے کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑے گا۔"

حاکمِ مصر کے گھر پر

اُن دنوں حضرت یوسف کو اپنی رہائش گاہ ویران سی لگ رہی تھی۔ اُن کی بیوی آسنَت اپنے والدین سے ملنے کے لئے ہیلیوپلس گئی ہوئی تھی۔ بے شک اُنہوں نے ہی اُسے جانے پر رضامند کیا تھا۔ لیکن بیوی بچوں کے بغیر یوں لگتا تھا جیسے دن گزرنے کے ہی نہیں ہیں۔ اُن کو گھر سے گئے صرف چار ہی ہفتے ہوئے تھے۔ ابھی ایک اَور ہفتہ اُن کے بغیر ہی گزارا کرنا تھا۔ آج عام تعطیل تھی۔ ایک دیوتا کا تہوار تھا۔ حضرت یوسف نے اِس خلا کو گھر کی مصروفیات سے پُر کرنا چاہا، لیکن اُن کا دل کسی کام میں بھی نہ لگا۔ وہ بڑی بے چینی سے اپنے محل میں

گھومنے لگے۔ اُن کے پاؤں دبیز قالین میں دھنستے چلے جا رہے تھے۔ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو نے اُن کے نتھنوں کو معطر کر دیا۔ پورے گھر میں بڑے قرینے سے گلدان سجے ہوئے تھے۔ ایک موسیقار نہایت سریلی دُھن بجا رہا تھا، لیکن وہ بھی اُن پر بے اثر ثابت ہو رہی تھی۔ آخرکار اَرام جو اُن کا قابلِ اعتماد غلام اور گھر کا منتظم تھا اُن کے سامنے سے گزرا۔ اُنہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکا، "اَرام، ذرا ٹھہرو! میرے بیوی بچوں کی کوئی خبر؟ وہ کب تک لوٹ رہے ہیں؟"

اَرام کی نگاہیں اپنے مالک کی نگاہوں سے ٹکرائیں، "نہیں میرے آقا! اللہ نے چاہا تو جلد ہی صحیح سلامت لوٹ آئیں گے۔" سارے ملازم اپنی رحم دِل مالکن اور بچوں کی کمی کو بُری طرح محسوس کر رہے تھے۔ حاکمِ مصر کا گھرانا اُن میں سے تھا جہاں گھر کے ہر فرد کو محبت ملتی تھی۔ اَرام نے دھیمے لہجے میں جواب دیا، "میرے آقا! ہو سکتا ہے ہماری مالکن وقت سے پہلے ہی آ جائیں۔ عموماً تو وہ گھر سے زیادہ عرصہ باہر نہیں رہ سکتیں۔"

جب حضرت یوسف اپنی خواب گاہ کی طرف تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے جانے لگے تو اُن کے خیالات کا دھارا شمعون کی طرف بہہ نکلا۔

وہ ابھی تک اُس سرکاری قید خانے میں بندھا پڑا تھا جہاں اُنہوں نے خود کئی اذیت ناک سال گزارے تھے۔ وہ سوچنے لگے کہ شمعون پر کیا بیت رہی ہو گی۔ وہ اللہ کی آواز سن رہا ہو گا کہ نہیں؟ کیا اُس کی توبہ تک نوبت پہنچ گئی ہے؟ پھر حضرت یوسف کا ذہن دوسرے بھائیوں کی طرف مُڑ گیا جو کنعان کے لمبے سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ کیا وہ بن یمین کو لے کر لوٹ کر آئیں گے؟ اُن کا باپ ایک اَور اذیت ناک دَور سے گزر رہا ہو گا۔ کاش وہ اُسے جلد مل سکیں!

سونے کے کمرے میں جا کر حضرت یوسف دعا میں اِتنے جھک گئے کہ اُن کا ماتھا زمین سے جا لگا۔ ”اے میرے باپ دادا کے خدا! میرے بھائیوں کی واپسی کا دن جلد لا۔ میرا دل بن یمین کے لئے تڑپ رہا ہے۔ میرے باپ کو توفیق عطا کر کہ وہ اُسے اُن کے ساتھ آنے کی اِجازت دے دے۔ اے قادرِمطلق خدا، میرے باپ کو اِتنی زندگی عنایت کر کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ جو وعدے تُو نے اپنی محبت میں اُس کے ساتھ کئے تھے اُنہیں تُو نے کمال وفاداری سے پورا کیا ہے۔“ حضرت یوسف کافی دیر تک دعا میں جھکے

رہے۔ اُنہیں اللہ کی حضوری میں بڑی تسلی اور حوصلہ ملا۔ آخرکار وہ اُٹھے اور جھروکے میں جا کھڑے ہوئے۔ فوارے کی خوش گوار رِم جھم دوپہر کی چلچلاتی دھوپ کے اثر کو زائل کرنے پر کمربستہ تھی۔ حضرت یوسف کے دل میں خواہش اُبھری کہ کاش مَیں بھی فوارہ ہوں، ایک ایسا ظرف جس میں سے اللہ کا روح دوسروں تک پہنچ جائے، خاص طور پر بھائیوں تک تاکہ مَیں اُن کے لئے برکت کا باعث بنوں!

کیا واقعی وہ اپنے بھائیوں کو معاف کر سکتے تھے؟ ابھی تک اُن کی نظروں میں وہ منظر سمایا ہوا تھا جب بھائیوں نے اُنہیں بیچ کر رقم وصول کی تھی۔ حضرت یوسف کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُنہیں شمعون کی گرفتاری خوب یاد آیا۔ اُس وقت دوسرے بھائی دانت کچکچاتے ہوئے آپس میں کہنے لگے تھے، "ہم نے جو کچھ اپنے بھائی کے ساتھ کیا تھا اُس کا نتیجہ اب بھگت رہے ہیں۔ جب وہ رحم کی بھیک مانگ رہا تھا تو کتنی سخت اذیت میں تھا۔ پھر بھی ہم نے اُس کی ایک نہ سنی۔"

رُوبن اُن پر برس پڑا تھا، "مَیں نے تمہیں بتایا نہ تھا کہ اُسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانا ؟ لیکن تم میری کہاں سنتے تھے! اور اب ہمیں اُس کی موت کی قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔"

اِن باتوں سے حضرت یوسف کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔ وہ اُنہیں چھوڑ کر کسی علیٰحدہ کمرے میں چلے گئے تھے جہاں وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے۔ لیکن یہ آنسو خوشی کے آنسو بھی تھے اِس لئے کہ اللہ بھائیوں کے دلوں میں کام کر رہا ہے۔

حضرت یوسف کا دل اپنے بھائیوں ہی میں اَٹکا تھا۔ اُنہوں نے حکم دیا تھا "اُن کے بورے غلّے سے بھر دینا اور رقم اُن بوروں ہی میں واپس رکھ دینا۔" اُنہیں سفر کے لئے بھی اناج مہیا کیا گیا تھا۔

ہَوا کے گرم جھونکوں سے کھجور کے درخت سرسرا رہے تھے۔ لیکن حضرت یوسف بے حس و حرکت کھڑے ایک اَور آواز پر توجہ دے رہے تھے — پہیوں کی چرچراہٹ اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز جو اَب قریب آتے آتے خاصی بلند ہوتی جا رہی تھی۔ "تو کیا اِس کا مطلب ہے ... ؟"

حضرت یوسف کا گمان درست تھا۔ اُن کے بیوی بچے گھر لوٹ آئے تھے۔ اُنہوں نے بڑی گرم جوشی سے آگے بڑھ کر آسنَت اور بچوں کو نیچے اُتارا۔ محافظ، غلام اور گاڑی بان خاندان کو پھر سے اکٹھا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پانچ سالہ مَنّسی اپنی اَنّا کی گود سے مچل کر نیچے اُترا اور بازو اوپر کرکے ابوا ابوا چلّانے لگا۔ حضرت یوسف نے فوراً اُسے اپنی مضبوط بانہوں میں جکڑ لیا اور بے اِختیار اُس کے گول مٹول گالوں کو چومنے لگے۔ مَنّسی نے اپنے تین سالہ بھائی کے سر کو چومتے ہوئے اِصرار کیا کہ ابو اِس کو بھی بوسہ دیں۔ حضرت یوسف نے اُسے خوش رکھنے کے لئے اُس سوئے ہوئے، پسینے سے شرابور گھنگھرالے بالوں والے سر کو بھی چوم لیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے جیسے اُس بے جان گھر میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ کھوئی ہوئی رونق واپس آ گئی۔ گھر میں ہر طرف چہل پہل پیدا ہوئی۔ غلام اِدھر اُدھر بھاگے پھرتے۔ کوئی حمام میں پانی بھرتا۔ کوئی ٹھنڈا مشروب لینے دوڑتا۔ کسی کو کھانے پینے کی فکر دوڑائے لئے جاتی۔ غرض اِس تمام گہما گہمی میں ہر چہرہ گھر والوں کو واپس پا کر خوشی سے

تمتما رہا تھا۔ خدا خدا کر کے حضرت یوسف اور آسنَت کو تنہائی نصیب ہوئی۔ اُنہیں یہ خوش گوار احساس ہو رہا تھا کہ جب تک وہ اکٹھے نہ ہوں ادُھورے ہی رہتے ہیں۔

آسنَت اپنے گھر کی باتیں کرنے لگی، خاص طور پر رَع (سورج دیوتا) کے پجاری یعنی اپنے باپ کی۔ "ابا جی ہمارے خدا سے بہت متاثر ہیں، کیونکہ کوئی دیوتا ہمیں اِس خوف ناک قحط کے بارے میں خبردار کرسکتا تھا اور نہ بچا ہی سکتا تھا۔ ابا یہ سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ..."

حضرت یوسف نے اپنی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اُس کی بات کو ختم کرتے ہوئے بولے، "پھر بھی تمہارے ابا اگرچہ زندہ خدا کو قبول کر لینا چاہتے ہیں، لیکن اپنے اعلیٰ منصب کو کھونے کے ڈر سے وہ ایسا نہیں کر پا رہے۔ ٹھیک ہے نا؟"

آسنَت نے ہاں میں سر ہلایا، "میری جان! آپ کے منصب کا بھی خطرہ ہے۔ اِس عہدے کی وجہ سے بہت سے معززین آپ سے حسد کرتے ہیں۔ ابا کو اِس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے اِس عرصے میں

خود کو مصری رنگ میں اِس قدر رنگ لیا ہے کہ بہت سے لوگ تو یہ بالکل بھول چکے ہیں کہ آپ عبرانی ہیں۔ خیر، فرعون آپ پر پورا اِعتماد رکھتا ہے۔ اُس کے بدعنوان افسروں میں صرف آپ ہی تو وفادار اور محنتی ہیں جنہوں نے مصر کو تباہی سے بچانے کا سامان کیا ہے۔"

لیکن حضرت یوسف نے جواب دیا، "مجھے یقین ہے کہ اللہ نے یہ اعلیٰ منصب صرف ہماری اپنی خوشی کے لئے عطا نہیں کیا۔" کچھ دیر رُک کر اُنہوں نے آسنت کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کی کہ آیا وہ اُن کی بات کو سمجھ رہی ہے یا نہیں۔ پھر بات جاری رکھی، "آج سہ پہر خدا نے ایک بات مجھ پر واضح کی۔ وہ یہ کہ اُس نے مجھے اپنے گھرانے سے پہلے یہاں مصر میں اِس لئے بھیجا کہ مَیں اُنہیں قحط سے بچا سکوں۔ اللہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ایک قوم بنانے والا ہے۔ اِتنے شدید قحط کے باوجود وہ میری پناہ میں یہاں ترقی کر سکیں گے۔"

آسنت نے بڑے خلوص سے اپنے دل کی بات کہی، "میری جان! مَیں اِس کام میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ کا خدا میرا خدا اور آپ کے لوگ میرے لوگ ہیں۔ مجھے اُن پر فخر ہے۔"

"آمین۔" حضرت یوسف کو اِس لمحے چاروں طرف اللہ کی حضوری کا اِحساس ہوا۔ آسنت نے بھی اِسے محسوس کیا۔ دونوں کچھ دیر تک بالکل خاموش رہے۔ پھر حضرت یوسف نے سکوت کو توڑا، "اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کس عہدے پر فائز ہے۔ اصل اور ضروری بات اللہ کے ساتھ ساتھ چلنا اور اُس کا فرماں بردار ہونا ہے۔ خوشی اِسی کو کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب مَیں نے مصیبت کے طویل سال قید میں گزارے تو اُس وقت بھی مجھے یہ خوشی میسر تھی۔"

جب حضرت یوسف نے اپنے گھرانے کے مصر منتقل ہونے کا ذکر کیا تو اُن کا لہجہ پُراعتماد تھا۔ اللہ کے وعدوں اور اُس کے منصوبے کی تکمیل پر اُنہیں ذرا بھی شک نہ تھا۔ لیکن کبھی کبھی اُنہیں خدشات گھیر لیتے تھے۔ اُنہیں ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ باپ بوڑھا ہے، کہیں وہ مجھ سے ملنے سے پہلے ہی کوچ نہ کر جائیں۔ سارے گھرانے کا دار و مدار تو اُن ہی پر ہے۔ اُن ہی پر سارے گھرانے کا اتحاد قائم رہتا ہے۔ اُن کے منظر سے ہٹتے ہی اُن کے بیٹے یقیناً وراثت کے لئے لڑنے مرنے لگیں گے۔ اِس طرح اللہ کی قوم کبھی تشکیل نہیں ہونے پائے گی۔

دن ہفتے میں اور ہفتے مہینے میں بدل گئے، لیکن بھائیوں کی کوئی خبر نہ ملی۔ حضرت یوسف کی بے چینی بڑھنے لگی۔ لیکن ایک دن جب غلّہ منڈی میں گہما گہمی تھی اور لوگوں کا ہجوم اُمڈا چلا آ رہا تھا تو اَرام اپنے مالک کی جائے کار پر آسنَت کا پیغام لے کر آیا۔ حضرت یوسف ابھی وہ پیغام پڑھ ہی رہے تھے کہ اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے منڈی میں ایک دم خاموشی چھا گئی ہے۔ سارا شور وغوغا موقوف ہو گیا۔ جوں ہی اُنہوں نے نظریں اُٹھائیں کیا دیکھتے ہیں کہ فوطی فار اور اُس کے محافظ اُن کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ دس غیر ملکی اُن کے پیچھے پیچھے تھے۔ حضرت یوسف کا دل دَھک سے رہ گیا۔ اُن کے بھائی پہنچ چکے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ چھوٹا بھائی بن یمین بھی اُن کے ساتھ تھا۔

حضرت یوسف نے اپنی خوشی کو دل ہی میں دبا دیا اور بڑے کاروباری انداز میں اَرام کو حکم دیا کہ وہ اِن کو گھر لے جائے۔ پھر اُنہوں نے قدرے بلند آواز میں کہا، "یہ آدمی آج دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ ضیافت کا اِنتظام بھی کر دینا۔"

یہ سن کر فوطی فار ہکا بکا رہ گیا۔ اِن اَجنبیوں کے لئے ضیافت کا اہتمام کیوں! اُدھر بھائیوں کو شدید دھچکا لگا۔ یہوداہ کو فوراً باپ کی یاد آئی اور اُس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، "خدا حافظ بابا، اب ہم کبھی بھی گھر نہیں لوٹ پائیں گے۔" پھر وہ دان کی طرف مُڑا۔ "یقیناً ہم پر اُس رقم کی چوری کا اِلزام لگایا جائے گا جو ہمارے بوروں میں لوٹائی گئی تھی۔"

لاوی کی بُری طرح کانپتی ہوئی آواز سنائی دی، "میری بات یاد رکھو۔ وہ اچانک ہم پر حملہ کریں گے۔ گدھے چھین لیں گے اور ہمیں غلام بنا لیں گے۔"

بن یمین نے اِحتجاج کرتے ہوئے کہا، "مجھے تو حاکمِ مصر کی آنکھوں میں محبت کی جھلک نظر آئی ہے۔ کیا اُس نے تمہیں نہیں بتایا کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے؟"

سب بھائی بن یمین کو اُس کے بھولپن پر جھڑکنے لگے۔ "یہ مت بھولنا کہ یہاں تم اپنے باپ کے محفوظ خیمے میں نہیں بیٹھے بلکہ ظالم دُنیا کے شکنجے میں ہو۔" یوں بحث مباحثہ کرتے ہوئے وہ حضرت یوسف کی رہائش گاہ کے پھاٹک پر پہنچ گئے۔ اَرام کو دیکھتے ہی اُنہوں نے اندازہ

لگا لیا کہ یہ آدمی رحم دل ہے۔ لہٰذا وہ فوراً اُسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے کہ ہم نے کوئی رقم نہیں چُرائی، سب غلطی سے ہو گیا تھا۔

یہوداہ کہنے لگا، "دیکھئے جناب، ہم وہ ساری رقم واپس لے آئے ہیں۔ کچھ اَور رقم بھی ساتھ لائے ہیں تاکہ اَور اناج خرید سکیں۔"

اَرام نے یہوداہ کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے تسلی دی، "فکر نہ کرو۔ ڈرو نہیں۔ تمہارے خدا نے، تمہارے باپ کے خدا نے ضرور وہ رقم تمہارے بوروں میں ڈلوا دی ہو گی۔ تمہارے اناج کی قیمت مل گئی ہے۔"

بن یمین نے خوشی سے سر ہلاتے ہوئے کہا، "مَیں نے تمہیں کہا نہیں تھا؟ پھر تم کیوں اِتنے پریشان ہو؟"

عبرانی مہمانوں کی خبر ہر زبان پر تھی۔ غلام حیران تھے کہ ہمارا آقا کیوں اِن لوگوں کے لئے ضیافت کا اہتمام کر رہا ہے، اِن سادہ لوح گڈریوں کے لئے جو اپنے گدھوں پر سوار ہو کر آئے ہیں۔ اُنہیں پاؤں دھونے کے لئے پانی دیا گیا۔ اَرام نے اپنی نگرانی میں گدھوں کو چارا دلایا۔ تب اُس نے فوراً جا کر مہمانوں کی اِطلاع آسنت کو دی جس نے چھپ کر

اُنہیں بڑی دل چسپی سے دیکھا۔ اللہ کا شکر ہے، اب وہ خاصے پُرسکون دکھائی دے رہے تھے۔

جب بھائیوں کو بتایا گیا کہ وہ دوپہر کا کھانا حاکمِ مصر کے ساتھ کھائیں گے تو اُنہوں نے جلدی جلدی اُس کے لئے تحفے نکالنے شروع کر دیئے۔ آسنت یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ اُسے اپنے شوہر کے چھوٹے بھائی بن یمین کو پہچاننے میں ذرا بھی دِقت نہ ہوئی۔ اِس خیال سے کہ آج ضرور یوسف اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کر دیں گے اُس نے اَنّا سے کہہ دیا کہ وہ بچوں کو بھی تیار کر دے۔ یقیناً یوسف چاہیں گے کہ اپنے بیٹوں کو بھی اپنے بھائیوں سے ملوائیں۔ شمعون کو دیکھ کر آسنت مسکرا اُٹھی۔ فوطی فار نے اُسے جیل سے رِہا کر دیا تھا۔

اَرام نے بھائیوں کی ہمت بندھائی، "اب خوش ہو جاؤ۔ تمہارا بھائی بھی آ گیا ہے۔ حاکم بھی چند لمحوں میں آنے ہی والے ہیں۔ تمہیں سخت بھوک لگ رہی ہو گی۔ خوب سیر ہو کر کھانا کھانا۔" جب وہ اُنہیں چھوڑ کر جانے لگا تو اُس نے شمعون کو بڑبڑاتے سنا، "نالائقو! مصر لوٹنے میں تم

نے اِتنی دیر کیوں لگائی؟ وہ تو خیر ہوئی کہ قحط ابھی ختم نہیں ہوا ورنہ تم مجھے اِس سڑی ہوئی جگہ پر ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے ہوتے۔"

جوں ہی حاکمِ مصر اندر داخل ہوا سب بھائی اُس کے سامنے تعظیماً زمین بوس ہو گئے۔ اُنہوں نے سکھ کا سانس لیا جب اُن کے اعلیٰ منصب میزبان نے خوش ہو کر اُن کے تحفے وصول کئے۔ ساتھ ساتھ وہ اُن کی تعریف بھی کرتا جاتا تھا، "یہ تو بہت خوب صورت تحفے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ کنعان کا شہد تو بڑا ہی خاص ہوتا ہے۔ اور یہ مسالے، بادام اور پستہ، اِن کا تو جواب ہی نہیں۔" حضرت یوسف نے محبت بھری نظروں سے اُن تحائف کو دیکھا جو اُن کے باپ کے اُمنگوں بھرے دل نے بھیجے تھے۔ اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے اُنہوں نے بڑی محبت سے پوچھا، "اچھا بتاؤ تو سہی، تمہارا بوڑھا باپ کیسا ہے؟ کیا وہ ابھی تک زندہ ہے؟" وہ اِس سوال کا جواب سننے کے لئے کتنے بے چین تھے! اور جب اُنہوں نے باپ کی خیریت کی خبر سنی تو اُن کے دل سے ایک بڑا بوجھ اُتر گیا۔

سب سے آخر میں حضرت یوسف نے بن یمین کے چہرے پر نظریں جما لیں۔ پھر کہا، "اچھا، تو یہ ہے تمہارا سب سے چھوٹا بھائی جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا تھا! 'میرے بیٹے! اللہ تجھے برکت دے'۔" حضرت یوسف کا دل اپنے بھائی کی محبت سے اِس قدر لبریز ہو گیا کہ وہ وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ چنانچہ وہ اُنہیں چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ آسنت نے دیکھا کہ اُن کے شوہر اپنے کمرے میں اپنے دل کا درد نکالنے کے لئے سِسکنے لگے۔ سالوں کے ٹھہرے ہوئے جذبات اب بہہ نکلے تھے۔

بڑی مشکل سے حضرت یوسف کی حالت سنبھلی۔ اُنہوں نے اپنا منہ دھویا اور کھانا پیش کرنے کا حکم دیا۔ ایسے نازک موقعے پر وہ آسنت کی موجودگی سے بہت خوش تھے۔ اُنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک میز پر اور بھائیوں نے دوسری میز پر کھانا کھایا۔ جو مصری اِس دعوت میں شریک تھے اُنہیں علیٰحدہ بٹھایا گیا کیونکہ وہ عبرانیوں کے ساتھ کھانا کھانا اپنی شان کے شایان نہیں سمجھتے تھے۔

ایک بار پھر حضرت یوسف نے بھائیوں کو حیران کر دیا۔ اُنہوں نے اُنہیں عمر کے حساب سے بٹھایا۔ پہلے سب سے بڑا بھائی اور آخر میں سب سے چھوٹا۔ اِس فعل سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ یوں لگتا تھا جیسے حاکم لوگوں کے صرف خیالات ہی نہیں پڑھ سکتا بلکہ اَور بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔

بھوک کے مارے ہوئے اِن عبرانیوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ جلد ہی وہ خوشی سے ہَوا میں اُڑنے لگے۔ وہ ایک بات سے زیادہ حیران ہوئے کہ اُن کا میزبان بن یمین کو بار بار کیوں کھانا بھجوا رہا ہے، گو وہ یہ دیکھ کر نہیں جلتے تھے۔ اُنہیں اپنے اِس چھوٹے بھائی سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حضرت یوسف خوش ہوئے جب اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے بھائی اِس اِمتحان میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب وہ کافی بدل چکے تھے۔

حاکم نے اَرام کو اپنی میز پر بلا کر حکم دیا کہ اِن سبھوں کے بورے اناج سے بھر دیئے جائیں۔ باقی باتیں آسنت نہ سن سکی، لیکن اُسے اَرام کے چہرے پر پریشانی صاف نظر آیا۔

صبح سویرے عبرانیوں کو اُن کے سفر پر روانہ کر دیا جانا تھا۔ حضرت یوسف یہ سوچ کر کہ اِس اگلے اِمتحان کا نتیجہ کیا ہو گا اچھی طرح سے سو نہ پائے تھے۔ آسنَت نے تھوڑی دیر اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کیں۔ اپنے خاوند کی یہ خواہش جان کر کہ وہ اپنے بھائیوں کے اندر اِنسانیت دیکھنا چاہتے ہیں آسنَت کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ اب جبکہ سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا تو وہ چھت پر چڑھ گئی تاکہ اُن بھائیوں کے کوچ کا منظر دیکھ سکے۔ جب وہ خوشی خوشی سفر کرنے لگے تو وہ دُور تک اُن کو دیکھتی رہی۔ اُنہیں اپنا یہ آخری سفر بہت کامیاب لگتا تھا۔

آسنَت نے سوچا، معلوم نہیں کہ شوہر اپنے بھائیوں کا اِمتحان کیسے کرے گا۔ فرعون کا شہر سورج کی سنہری روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ قافلہ کب کا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ لگتا تھا اب کچھ نہیں ہو گا۔ عین اُسی وقت اُس نے اپنے سرتاج کی آواز سنی جو چلّا چلّا کر اَرام کو پکار رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے اَرام ایک اَور نوکر کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا قافلے کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ چونکہ اُس کا شوہر ابھی کام کے لئے گھر

سے نہ نکلا تھا اِس لئے آسنَت نے اندازہ لگا لیا کہ بھائیوں کو واپس لایا جائے گا اور کہ حضرت یوسف اُن کی واپسی کے منتظر ہیں۔ اُس نے فوراً اللہ سے دعا کی، "اے خدا! آج یوسف کے بھائی اُن سے ملا دے۔" اِس کے بعد وہ چھت سے اُتر آئی تاکہ جو کچھ بھی ہو وہ اپنے خاوند کے پاس ہی ہو۔

سنجیدہ لمحات

شہر میں گویا دیہاتیوں کا سیلاب اُمڈ آیا تھا۔ وہ خربوزے، پیاز اور اپنے کھیتوں کی دوسری پیداوار لے لے کر آ رہے تھے۔ اَرام کے لئے لوگوں کا یہ ہجوم اور گاڑیوں کی بھرمار راستے کی رُکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ اُس کے سر پر ایک ہی دُھن سوار تھی کہ عبرانیوں کو میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جانا چاہیئے۔ اُس کے آقا کا حکم تھا کہ اُنہیں ہر قیمت پر واپس لایا جائے۔ جانے اِس کی کیا وجہ تھی! اُس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اُس نے گھوڑے کو تیز بھگانے کے لئے زور سے سانٹا مارا اور چلّانے لگا، ”راستہ بناؤ! راستہ بناؤ!“

اَرام کے ساتھی کے لئے اپنے سردار کے ساتھ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بولا، "بھلا ہمارا آقا اِن غیر ملکیوں سے چاہتا کیا ہے؟ پہلے تو اُس نے اُن کے ساتھ بڑا شاہانہ سلوک کیا اور پھر صرف چند ہی گھنٹوں کے بعد اُس نے ہمیں اُن کا پیچھا کرنے کے لئے بھیج دیا گویا وہ ہمارے دشمن ہوں۔"

اَرام نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا، "فرعون کے دستِ راست کے فیصلوں پر سوال کرنے والے تم کون ہوتے ہو؟"

اگرچہ اُس نے یہ سوال اپنے ساتھی سے کیا تھا، لیکن حقیقت میں وہ بھی تو اپنے آقا کے اَحکامات سے پریشان تھا۔ آخر اُس نے یہ حکم کیوں دیا کہ اِن عبرانیوں کے اناج کے بوروں میں غلے کے علاوہ کوئی اَور چیز بھی ڈال دو؟ قافلہ اَب اُنہیں دُور سے دکھائی دینے لگا۔

شمعون ابھی یہوداہ کا مذاق اُڑا رہا تھا، "سنو بھائی! اگر تم گستاخی کر رہے ہو تو مَیں حاکمِ مصر کو بتا دیتا ہوں۔ وہ تمہیں سیدھا کر دے گا۔ پھر جیل میں تم اپنی گستاخی پر غور و خوض کرنا۔" اِس پر سب ہنس پڑے۔

اَرام نے جب اُن کی یہ باتیں سنیں تو اُسے اُن کو ایک بار پھر مایوسیوں میں دھکیل دینا بڑا ظالمانہ فعل معلوم ہوا۔ اُن کے عین سر پر پہنچنے سے پہلے اُس نے اپنے چہرے کو سخت کرنے کی کوشش کی اور پھر قریب پہنچ کر مصنوعی غصے سے چلّایا، "ٹھہرو! رُکو! تم نے بھلائی کے بدلے میں بُرائی کیوں کی؟" ساتھ ہی اُس کا ساتھی چیخا، "تم نے ہمارے آقا کا چاندی کا پیالہ کیوں چُرایا ہے؟"

گیارہ گھبرائے ہوئے چہرے اپنا پیچھا کرنے والوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُن کی آنکھیں خوف سے پھٹی جاتی تھیں۔ اُنہوں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، "ہم نے کیا کیا ہے؟"

"تم نے سنگین جرم کیا ہے،" اَرام نے اپنی بات پھر دُہرائی۔

اُنہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا، "جناب آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اللہ کی قسم ہم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے۔"

یہوداہ نے سبھوں کی طرف سے صفائی پیش کی، "جناب، ہم دیانت دار آدمی ہیں۔ یاد ہے ہمیں جو رقم اپنے بوروں میں ملی تھی وہ فوراً لوٹا دی تھی؟ تو پھر ہم آپ کے آقا کے گھر سے سونا یا چاندی کس طرح چُرانے

لگے؟ دیکھئے جناب، اگر ہم میں سے کسی کے بورے میں سے بھی آپ کا چاندی کا پیالہ نکل آیا تو آپ اُسے موت کے گھاٹ اُتار دینا۔ اور رہے ہم، تو ہم سب آپ کے غلام ہو جائیں گے۔" دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے راہ گیر تماشا دیکھنے کے لئے رُک گئے۔

اَرام بولا، "ٹھیک ہے۔ لیکن صرف وہ شخص جس کے بورے سے چاندی کا پیالہ نکلے گا میرے آقا کا غلام بن کر رہے گا، باقی سب کو جانے کی اجازت ہو گی۔"

عبرانیوں نے اپنے بورے زمین پر رکھ دیئے۔ ہر ایک کانپتے ہاتھوں سے اپنا بورا کھولنے لگا۔ جب اَرام بڑے محتاط انداز میں بورے میں ہاتھ ڈال کر اناج کو ٹٹولتا تو راہ گیر لمبی گردنیں کر کر کے جھانکنے کی کوشش کرتے۔ اُس نے سب سے بڑے بھائی کے بورے سے شروع کیا اور اِس طرح تلاشی لیتے لیتے آخر پر سب سے چھوٹے بھائی بن یمین کا بورا کھولا۔ دس بوروں سے تو چاندی کا پیالہ نہ نکلا۔ اب تو ہر طرف سے غصیلی آوازیں سنائی دینے لگیں، "واہ! واہ! بے چاروں پر بلاوجہ ہی الزام لگایا گیا ہے۔"

لیکن اَرام نے تلاشی جاری رکھی۔ یہوداہ ایک بار پھر اَرام کو اپنے دیانت دار ہونے کا یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا، لیکن عین اُسی وقت اُس نے بن یمین کے بورے سے پیالہ نکال لیا۔ ہرطرف گہری خاموشی چھا گئی۔ سب کو دھچکا سا لگا۔ اَرام نے پیالہ اُوپر اُٹھا کر سب کو دکھاتے ہوئے سختی سے کہا، ”اچھا تو پھر یہ کیا ہے دیانت دارو؟ اُف میرے خدایا! یہ سب کچھ تم حاکم سے جا کر کہنا۔“

بن یمین کے چہرے پر ہَوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ کبھی ایک بھائی کا منہ دیکھتا کبھی دوسرے کا۔ سب کے سب شدید صدمے کا شکار تھے۔ اُن میں سے کوئی بھی اُسے تسلی نہ دے سکا۔ ہر ایک کے چہرے سے دہشت ٹپک رہی تھی۔ تاہم اُسے یقین تھا کہ میرے بھائی مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑیں گے۔ سب نے صدمے سے نڈھال ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اب بن یمین نے جان لیا کہ یہاں مصر میں ہم واقعی ایک گھٹیا ماحول میں آ پھنسے ہیں۔ آخر یہ سب میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ تماشائی اُن پر حقارت آمیز آوازے

کسنے لگے، "چور! نکمے عبرانی! غیر ملکی بھکاری! اِنہیں جیل میں ڈال دو۔" بھائیوں کے چہرے شرمندگی سے لٹک رہے تھے۔

یہوداہ نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا، "جلدی کرو، گدھوں پر سامان لاد لو۔ ہم سب واپس جاتے ہیں۔"

حضرت یوسف اور آسنت نے اُنہیں احاطے میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ انتہائی شکست خوردہ دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن آسنت نے بڑے مسرور لہجے میں سرگوشی کی، "اُنہوں نے بن یمین کو اکیلا نہیں چھوڑا۔"

بھائی حضرت یوسف سے ملنے کے لئے گرتے پڑتے آ پہنچے۔ اَرام چاندی کا پیالہ اُٹھائے اُن کے آگے آگے تھا۔ اِنتہائی خاموشی سے وہ سب اپنے بھائی کے سامنے جھک گئے۔

آسنت حیرت سے اپنے شوہر کو دیکھتی رہی کہ یہ عاجزی سے جھکے ہوئے اُن سروں پر کس طرح اِتنے سخت الفاظ سے گرج سکتا ہے۔ "تم نے یہ کیا کیا ہے؟ کیا تم جانتے نہیں تھے کہ مجھ جیسا بااِختیار شخص تمہیں آسانی سے ڈھونڈ نکالے گا؟"

پھر یہوداہ اُٹھا اور حضرت یوسف کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اب وہ حاکمِ مصر کے رحم و کرم پر ہی ہیں۔ اِس لئے وہ گڑگڑا کر کہنے لگا، "میرے آقا! ہم آپ کے سامنے کس طرح صفائی پیش کر سکتے ہیں! ہم کیسے خود کو بے گناہ ثابت کر سکتے ہیں! اللہ نے ہمارا گناہ ظاہر کر دیا ہے۔ اب صرف وہی نہیں جس کے بورے میں سے پیالہ برآمد ہوا ہے بلکہ ہم سب آپ کے غلام ہیں۔"

حضرت یوسف کرخت آواز میں بولے، "نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ صرف وہی جس کے پاس سے پیالہ نکلا ہے میرا غلام بن کر رہے گا۔ باقی تم سب اپنے باپ کے پاس جا سکتے ہو۔"

یہوداہ میں بھائی کی محبت نے جرأت پیدا کر دی تھی۔ وہ جھٹ بول اُٹھا، "میرے آقا! اللہ کے لئے مجھے کھل کر بات کرنے دیجئے۔ ناراض نہ ہوں۔ آپ میرے لئے بادشاہ ہی کی مانند ہیں۔" اُس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر حضرت یوسف کی طرف آگے بڑھا دیئے۔

حاکمِ اعلیٰ نے اپنا سر اِس طرح جھکایا جیسے وہ اُس کی ہر بات غور سے سن رہا ہو۔ در اصل اُس نے یہ انداز اپنے جذبات کو چھپانے کے

لئے اِختیار کیا تھا۔ اُس میں اب زیادہ دیر تک یہوداہ کی یہ حالت دیکھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈے چلے آرہے تھے۔ پھر ہونٹ پھڑپھڑانے لگے۔ اُنہوں نے فوراً اپنا ایک ہاتھ منہ پر رکھ لیا۔ صرف اُن کی قوتِ ارادی ہی لمحہ بہ لمحہ اُن کے چھلکتے آنسوؤں کو بہنے سے روکے ہوئے تھی۔

یہوداہ کی کانپتی ہوئی آواز اَب حضرت یوسف کو بالکل قریب سے سنائی دی۔ ”عالی جاہ! آپ نے ہم سے پوچھا تھا کہ ہمارا باپ یا کوئی اَور بھائی ہے یا نہیں۔ ہم نے آپ کو سچ سچ جواب دیا تھا کہ ہمارا ایک بوڑھا باپ ہے اور سب سے چھوٹا بھائی بھی ہے جو اللہ نے ہمارے باپ کو بڑھاپے میں عطا کیا تھا۔ اِس لڑکے کا بھائی مر چکا ہے۔ چنانچہ یہ اپنی ماں کی اولاد میں سے واحد ہے جو تاحال زندہ ہے۔ بابا اِس سے والہانہ محبت کرتے ہیں۔“

اب یہوداہ سے رہا نہ گیا اور وہ زار و قطار روتے ہوئے کہنے لگا، ”میرے آقا! آپ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ اپنے چھوٹے بھائی کو یہاں لے کر آئیں تاکہ آپ اُسے دیکھ لیں۔ اور ہم نے جواب دیا تھا کہ اگر

اُسے لے آئے تو یہ ہمارے باپ کی برداشت سے باہر ہو گا۔ پھر آپ نے کہا تھا کہ جب تک تمہارا چھوٹا بھائی نہیں آئے گا تم میرے حضور حاضر نہیں ہو سکتے۔"

اِتنا کہہ کر اُس کے سینے سے ایک درد ناک کراہ نکلی، "جب ہم واپس اپنے باپ کے پاس پہنچے تو آپ نے جو کچھ کہا تھا اُنہیں بتا دیا۔ ظاہر ہے باپ کا بھی اِصرار تھا کہ ہمیں ہر حال میں اناج خریدنے کے لئے مصر جانا چاہیئے۔ ہمیں اُنہیں اِس بات پر قائل کرنے میں بہت دن لگ گئے کہ ہماری واپسی کی صرف ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہمارے ساتھ چلے۔"

یہوداہ کا سانس پھولا ہوا تھا اور اُس میں ہمت نہیں تھی کہ اپنے باپ کا جواب حضرت یوسف کو بتائے۔ اُس نے کَن انکھیوں سے دیکھا کہ حاکم کا سر پہلے سے بھی زیادہ جھک گیا ہے۔ لہٰذا ہانپتے ہوئے اُس نے بیان جاری رکھا، "عالی جاہ! ہمارے بابا نے معلوم ہے کیا جواب دیا؟ وہ کہنے لگے، 'تم جانتے ہو کہ میری بیوی راخل سے صرف دو بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ اِن میں سے ایک تو ... ایک تو مجھے پہلے ہی چھوڑ کر جا

چکا ہے۔ اُسے جنگلی درندوں نے پھاڑ کھایا ہے۔ اگر تم بن یمین کو بھی میرے پاس سے لے گئے اور خدا نخواستہ اِسے بھی کچھ ہو گیا تو مَیں تو صدمے سے چل بسوں گا۔"

کمرے میں ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری ہوئی۔ یہوداہ کی باتوں کا حاکمِ مصر کے لئے ترجمہ کرتے وقت خود ترجمان کا دل بھی بھر آیا تھا۔ تاہم صاحبِ خانہ کی آنکھیں حسبِ معمول زمین پر گڑی تھیں۔ بھنویں تنی ہوئی تھیں، جیسے وہ ہمہ تن گوش ہو۔

یہوداہ نے اپنی فریاد جاری رکھی، "میرے آقا! اگر مَیں اِس لڑکے کے بغیر اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گیا تو جوں ہی اُنہیں پتا چلے گا کہ بن یمین ہمارے ساتھ نہیں ہے وہ دَم چھوڑ جائیں گے۔ اُن کی جان تو بن یمین میں ہی اٹکی ہے۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ مَیں اِس کے بدلے میں اپنی زندگی کی ضمانت دے کر آیا ہوں۔"

یہوداہ نے خود کو حضرت یوسف کے آگے منہ کے بل گرا دیا اور اُن کے پاؤں چھوتے ہوئے گڑگڑایا، "میرے آقا! میرے اِس بھائی کی جگہ مجھے اپنا غلام بنا کر رکھ لیجئے۔ اللہ کے واسطے اِسے بھائیوں کے ساتھ

واپس جانے دیجئے۔ باپ کی یہ بد حالی مجھ سے دیکھی نہیں جائے گی۔"

یہوداہ حضرت یوسف کے سامنے جھکا ہوا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ ہچکیوں کے باعث اُس کا پورا وجود ہل رہا تھا۔ اب فیصلہ حاکمِ مصر کے ہاتھ میں تھا۔ سب نگاہیں حضرت یوسف پر گڑی تھیں۔ ترجمان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حاکمِ وقت کا چہرہ اُن کے ہاتھوں میں چھپا تھا۔ اُن کی اُنگلیوں میں سے آنسو ٹپک ٹپک کر زمین پر گر رہے تھے۔ اُن کے درد سے پھٹتے ہوئے سینے میں سے ایک زخمی کی سی کراہ نکلی۔ یہوداہ کے الفاظ اُن کی روح میں اُتر گئے تھے۔ اللہ کی تعریف ہو! تمام بھائیوں کی زندگی بدل چکی تھی۔

حضرت یوسف اپنی جگہ سے یک دَم اُٹھے اور ایک بار پھر اپنے دل کو سخت کرتے ہوئے اپنے ملازموں پر برس پڑے، "سب باہر چلے جاؤ، مَیں اپنے بھائیوں کے ساتھ تنہائی چاہتا ہوں۔"

نوکر چاکر سب اُس ہال میں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ چونکہ حضرت یوسف مصری زبان میں بات کر رہے تھے اِس لئے اُن کے

بھائیوں کو اُن کی بات کی سمجھ نہ آئی۔ لیکن نوکروں کے یوں بھاگنے اور حاکمِ مصر کے رونے نے اُنہیں اِنتہائی خوف زدہ کر دیا کہ اَب کیا ہو گا۔

حضرت یوسف کی زور دار ہچکیوں نے فضا کے سکوت کو توڑ دیا۔ اَب وہ اُن کے درمیان کھڑے ہوئے۔ آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔ اُنہوں نے باری باری ایک ایک بھائی کو دیکھتے ہوئے عبرانی زبان میں کہا، "مَیں یوسف ہوں۔"

وہ بھائی یک لخت یوں پیچھے ہٹے جیسے اُنہوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ کچھ کانپ اُٹھے۔ بعض کا سانس اُوپر کا اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اُن کی بھنوؤں سے شرمندگی کے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ صرف بن یمین کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ وہ اپنے بھائیوں کی پریشانی پر حیران ہوا۔ آخر یہ یوسف بھائی سے اِتنا ڈر کیوں رہے ہیں؟

اُنہیں پُرسکون کرنے کے لئے حضرت یوسف نے نرمی سے پوچھا، "کیا بابا ابھی تک زندہ ہیں؟" لیکن بھائی اِس قدر سہمے ہوئے تھے کہ

اُن کے منہ سے بات تک نہیں نکل پائی۔ اب اُن پر کیا بیتے گی؟ تاہم اُن کے بچھڑے بھائی نے بڑی محبت سے اُنہیں قریب آنے کو کہا۔ جب وہ جھجکتے جھجکتے اُن کی طرف بڑھے تو اُنہوں نے ایک بار پھر بھائیوں کو یقین دلایا، "دیکھو! مَیں تمہارا وہی بھائی یوسف ہوں جسے تم نے مدیانیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ اب تم پریشان نہ ہونا۔ اللہ نے تمہارے بُرے فعل کو اپنے فضل سے ہمارے گھرانے کو بچانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ یہ تو قحط کا صرف دوسرا سال ہے، ابھی پورے پانچ سال پڑے ہیں جن میں نہ کاشت ہو گی نہ کٹائی۔ اللہ نے بڑے حیرت انگیز طریقے سے تم لوگوں سے پہلے مجھے یہاں بھیجا ہے تاکہ تم اور تمہاری اولاد یقینی طور پر بچ جائے۔ خدا ہی نے مجھے بادشاہ کا اعلیٰ ترین منصب دار بنایا ہے۔ سارے ملک کا اِختیار میرے ہاتھ میں ہے۔"

حضرت یوسف نے بے اِختیار ہو کر بن یمین کو گلے سے لگایا۔ دونوں بھائی کافی دیر تک روتے اور ایک دوسرے سے لپٹے رہے۔ پھر حضرت یوسف نے باری باری ایک ایک بھائی کو گلے لگایا۔

اُن کو بھی جنہوں نے اُنہیں رسیوں سے جکڑا تھا، اُن کی فریاد کا مذاق اُڑایا تھا اور اُنہیں تاریک گڑھے میں پھینک دیا تھا۔ آخر میں حضرت یوسف نے آسنَت اور اپنے بیٹوں کو اپنے بھائیوں سے ملوایا۔ جب مَنسّی اور افرائیم باری باری اپنے چچا اور تایوں سے ملے تو گویا اِن مردوں کے دُکھ کا علاج ہوگیا۔

فرعون اور اُس کے افسران کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ وزیرِ اعظم کے بھائی شہر میں آئے ہیں۔ اُنہوں نے اِن کو اپنے بیوی بچوں سمیت مصر میں آ کر رہنے کا سرکاری دعوت نامہ بھیجا۔ اب اُنہیں اپنا اثاثہ پیچھے چھوڑنے کی زیادہ فکر نہ رہی کیونکہ وہ بادشاہ کی دعوت پر مصر آ رہے تھے۔

جب بھائی گھر واپس روانہ ہوئے تو اُنہیں یوں لگا جیسے اُنہوں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ اُن کے گدھے اوپر تک لدے ہوئے تھے۔ حضرت یوسف نے سفر کے لئے اُنہیں وافر مقدار میں اناج دلوا دیا تھا۔ کچھ گاڑیاں بھی اُن کے ساتھ کر دی تھیں تاکہ عورتوں اور بچوں کو بحفاظت مصر لایا جا سکے۔

اب صرف ایک بات رہ گئی تھی۔ کاش اُنہیں اپنے کئے کا اپنے بزرگ باپ کے سامنے اعتراف نہ کرنا پڑے! وہ کتنے پشیمان تھے! کتنے شرمسار!

بچھڑے ملتے ہیں

حضرت یعقوب اَب بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے اپنے بیٹوں کی راہ دیکھتے رہے۔ گرم صحرائی ہَوا سے اُن کے سفید بال اُڑا کر اُن کے چہرے پر گر رہے تھے۔ اُنہوں نے دعا کے لئے بڑی ملتجی انداز میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا دیئے اور کانپتی آواز میں بولے، "اے قادرِ مطلق خدا! تُو جو میرے باپ دادا کا خدا ہے، مَیں اپنے بیٹوں کو تیری محافظت میں دیتا ہوں، خاص کر بن یمین کو۔ مَیں نے تجھ سے کچھ بھی باز نہ رکھا۔ اے پیارے رب، مَیں اپنے بچوں کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ اپنی محبت کی خاطر میرے بیٹے

مجھے واپس کر دے۔" پھر اُنہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، "آج کل تو سب کچھ میرے خلاف جا رہا ہے۔" اُسی وقت بادلوں کے پیچھے سے سورج جھانکنے لگا جیسے آسمان اللہ کے محبوب پر مسکرا رہا ہو جو اپنے خالق کے عجیب منصوبوں سے بالکل بے خبر ہے۔

کتوں کے بھونکنے کی خوف ناک آواز اُن کی دعا میں مُخل ہوئی۔ دُور سے اُٹھتے ہوئے گرد کے بادل میں گدھوں اور آدمیوں کا قافلہ نظر آیا۔ اُنہوں نے اپنی لاغر اُنگلی سے جلدی جلدی آدمیوں کو گننا شروع کیا۔ کیا بن یمین اُن کے ساتھ ہے یا نہیں؟ اُن کا دل کتنا ہلکا ہو گیا جب اُنہیں یقین ہو گیا کہ "ہاں! ہاں! بن یمین بھی ساتھ ہی ہے۔" لیکن اگلے ہی لمحے وہ چونک گئے۔ "میرے بیٹوں کے پیچھے پیچھے گاڑیاں کیسی چلی آ رہی ہیں؟ اُف یہ کتے!" حضرت یعقوب اُن کے پیچھے چل پڑے۔ "چپ کرو، بند کرو یہ شور۔" لیکن کتوں نے اُن کی ایک نہ سنی۔ اِس غل غپاڑے میں حضرت یعقوب کا پورا گھرانا اُن کے پاس آ جمع ہوا۔ بچے قافلے کی طرف بھاگے۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹیں ناچ

رہی تھیں۔ بچوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں، "وہ آ گئے ہیں! ڈھیر سارا اناج بھی آ گیا ہے!"

حضرت یعقوب نے سکھ کا سانس لیا۔ "رب کی تعریف ہو جس نے اِن کا سفر مبارک کیا ہے۔"

بن یمین نے دُور سے ہی ہاتھ ہلاتے ہوئے پکارا، "بابا! ہم ایک بڑی خوش خبری لائے ہیں۔"

اُس کے بھائیوں نے اُسے خاموش رکھنے کی پوری کوشش کی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُنہیں اپنا قصور سارے قبیلے کے سامنے ماننا پڑے۔ جوں ہی وہ گھر پہنچے سارا خاندان اُن کے اِستقبال کے لئے اُمڈا چلا آیا۔

حضرت یعقوب نے بن یمین کو سینے سے لگا لیا۔ ابھی وہ شکرگزاری کی دعا کرنے ہی والے تھے کہ اُنہیں یہ خبر سنائی گئی، "یوسف زندہ ہے۔ ہاں سچ مچ زندہ ہے۔" حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں پر حقارت آمیز نظر ڈالتے ہوئے کہا، "شرم کرو اپنے باپ سے مذاق کرتے ہو!"

بن یمین نے اپنے بازو بوڑھے باپ کے گرد حمائل کرتے ہوئے کہا، "بابا! یہ سچ ہے۔ دیکھو یہ جو گاڑیاں ہیں نا یہ خاص طور پر بھائی یوسف نے آپ کو اور سارے گھرانے کو مصر لانے کے لئے بھیجی ہیں۔ اور اِن پر لدے ہوئے اناج کو تو دیکھو۔ یہ سب غلّہ مصر کے بادشاہ فرعون نے آپ کو تحفے کے طور پر بھیجا ہے۔ کیا اَب بھی آپ کو یقین نہیں آیا ؟ یوسف بھائی آپ سے ملنے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ اُس نے ہمیں کہا کہ جلدی سے جا کر بابا کو میرے پاس لے آؤ۔"

حضرت یعقوب اُن گاڑیوں، گاڑی بانوں اور محافظوں کو یوں تکنے لگے گویا خواب دیکھ رہے ہوں۔ اور پھر جیسے وہ ایک جھٹکے سے بیدار ہو گئے۔ زندگی کی ایک لہر اُن کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اُنہوں نے پلٹ کر اپنے بیٹوں کی طرف دیکھا جن میں باپ سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہ تھی۔ حضرت یعقوب کی تیز آواز کی کاٹ ناقابلِ برداشت تھی۔ "میرا یوسف مصر میں کیسے پہنچا ؟"

بھائیوں کے لئے اِس سوال کے جواب سے فرار ناممکن تھا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ سارا قبیلہ اُن کے گرد اکٹھا ہو گیا ہے تو اُن کی بے

چینی اَور بڑھ گئی۔ جب اُنہوں نے مجبوراً وہ درد ناک کہانی سنائی تو کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بھائی حسد میں اندھے ہو کر اِتنا ظلم بھی کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اِس سانحے کے تصور ہی سے کانپ اُٹھے۔

حضرت یعقوب غصے میں بھڑک اُٹھے، "تو تم لوگوں نے اِتنے سالوں سے مجھے دھوکے میں رکھا ہوا تھا؟ اور تم میں اِتنی ہمت کہاں سے آئی کہ یوسف کے ماتم کے وقت تم مجھے تسلی دیتے رہے اور مصر سے واپسی پر خود کو ایمان دار کہتے رہے؟"

اگر ایسے میں بن یمین اُن کی سفارش نہ کرتا تو نہ جانے حضرت یعقوب کب تک یوں ہی گرجتے رہتے۔ "بابا! یوسف بھائی نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا ہے۔ آپ کے بیٹوں کو معاف کر دیا ہے۔ اِس لئے آپ بھی اِنہیں معاف کر دیں۔ خدا ہمارے گھرانے کے زخم ضرور بھر دے گا۔ اب تو سب کچھ ظاہر ہو گیا ہے۔"

اب حضرت یعقوب کے آنسو بہنے لگے، "میرے بیٹو! اگر ایسا ہے تو مَیں بھی تمہیں معاف کرتا ہوں۔" اُس ضعیف آدمی نے اپنے

بازو خوشی سے پھیلا دیئے اور فرطِ مسرت سے مغلوب ہو کر پکار اُٹھے،
"میرا بیٹا یوسف ابھی تک زندہ ہے۔ مرنے سے پہلے مَیں ضرور جا کر
اُسے ملوں گا۔"

سارا گھرانا خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ سوال جواب اور قہقہے بلند ہوئے۔
بچے بے قراری کے عالَم میں حالات کی تفصیل جاننے کے لئے تڑپتے
رہے۔ آخرکار سب پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یوسف زندہ ہے اور وہ
مصر کا حاکم بن گیا ہے۔ اور یہ بھی کہ جلد ہی خیمے اُکھاڑ لئے جائیں گے۔
سب یوسف کے پاس چلے جائیں گے جہاں غلے کی کثرت ہے۔ اب
کوئی فاقوں نہیں مرے گا۔ خدا خدا کر کے قافلہ مصر کی طرف روانہ ہو گیا۔
راستہ بھر حضرت یعقوب یہ یاد کر کر کے ٹھنڈی آہیں بھرتے گئے کہ میرا
سترہ سالہ بیٹا یوسف اِسی راستے سے زنجیروں میں جکڑا ٹھوکریں کھاتا گرتا
پڑتا گزرا ہو گا۔ ساتھ ساتھ وہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کرتے رہے کہ اِس تمام
عرصے میں تُو نے یوسف کی زندگی کو اپنے ہاتھ میں رکھ کر راستہ ہموار کیا
ہے۔

یہوداہ حضرت یوسف کو یہ اِطلاع دینے کے لئے پہلے جا پہنچا کہ وہ جشن کے مقام پر آ کر اپنے گھرانے سے ملیں۔ حضرت یعقوب کو یہ سفر نہایت سُست رفتار معلوم ہو رہا تھا۔ اُن کے دل کی دھڑکنیں قافلے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز تھیں۔ وہ اپنے لختِ جگر سے جلد ملنے کے لئے بے تاب تھے۔ اُن کی نگاہیں راستے پر جمی رہیں اور دِل مسرت بھرے نغمے گاتا رہا، "یوسف میرے بیٹے، مَیں آ رہا ہوں۔"

آخرکار قافلہ جشن پہنچ گیا۔ اب سب کی آس بندھی تھی کہ کسی بھی لمحے یوسف آئے گا۔ حضرت یعقوب کا دل بُری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اُن کے اَنگ اَنگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ پھر اِنتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں۔ سب نے دیکھا کہ دُورمصری افسرانِ بالا اپنے رتھوں میں اُن کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ گھڑسوار محافظ اُن کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت یعقوب گاڑی میں کھڑے ہو گئے۔ اُن کی متلاشی نگاہوں نے اپنے بیٹے یوسف کی شاہانہ شخصیت کو پہچان لیا۔ وہ یوسف ہی تھا۔ اُن کا اپنا یوسف جو اُن کی طرف آ رہا تھا۔

"بابا!"

"یوسف!"

اور اگلے ہی لمحے دُنیا سے بے خبر وہ ایک دوسرے کی بانہوں میں لپٹ گئے۔ بچھڑے ہوئے مدتوں بعد آج ملے تھے۔ فضا میں سِسکیاں اُبھرنے لگیں۔ عجب جذبات انگیز منظر تھا۔ 25 برس کا کرب، قلبی اذیت اور تڑپ سب کچھ اِسی میں سمو گیا۔ بھیگی آنکھوں سے باقی لوگوں نے بڑی سنجیدگی سے اِس منظر کو دیکھا۔ آخرکار حضرت یعقوب نے یوسف بیٹے کو سامنے کھڑا کرکے کہا، "مَیں نے تمہیں دیکھ لیا ہے، اَب مَیں سُکھ سے مرسکوں گا۔"

جب حضرت یوسف سب سے مل چکے تو کہنے لگے، "اَب مَیں چل کر بادشاہ کو بتاتا ہوں کہ تم سب آ گئے ہو۔" پھر بھائیوں سے مخاطب ہو کر بولے، "بھائیو سنو! اگر فرعون تم سے تمہارے پیشے کے متعلق پوچھے تو اُسے بتا دینا کہ تم چرواہے ہو۔ جب اُسے تمہارے پیشے کا علم ہو جائے گا تو وہ تمہیں جشن میں رہنے کی اجازت دے دے گا۔" خود علیٰحدہ رہنے میں اُن کی بھلائی تھی۔ یوں وہ بت پرستوں میں شادیاں رچانے سے محفوظ رہ سکتے تھے۔

جشن میں ٹھکانا کرنے سے پہلے حضرت یوسف بڑے فخر سے اپنے باپ کو فرعون سے ملوانے کے لئے لے گئے۔ مصر میں ممتاز ہونے کے باوجود حضرت یوسف اپنے چرواہے باپ کو فرعون سے برتر سمجھتے تھے۔ جب حضرت یعقوب نے فرعون کو زندہ خدا کے نام میں برکت دی تو دربار میں موجود ہر ایک نے محسوس کیا کہ یہ اللہ کا خاص پرستار ہے۔

حضرت یعقوب کا گھرانا چرواہوں کے معمول کے مطابق زندگی گزارنے لگا۔ حضرت یوسف اکثر اپنے بیوی بچوں سمیت اُنہیں ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ مَنسّی اور افرائیم کے لئے تو کھلے میدانوں میں اپنے رشتے دار بچوں کے ساتھ کھیلنا ایک بہت بڑی تفریح تھی۔

ایک دوپہر کو حضرت یوسف اور حضرت یعقوب دِل کھول کر آپس میں باتیں کر رہے تھے جبکہ آسنت عورتوں میں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ اُن کے بیٹوں کی پُرمسرت آوازیں دُور سے سنائی دے رہی تھیں۔ حضرت یوسف نے انار کے رَس کی ایک چُسکی لی اور اپنے باپ پر نظر ڈالی جو چارپائی پر بڑے سکون سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹے نے اپنے 130 سالہ بوڑھے باپ کے جھریوں بھرے ہاتھ کو تھپتھپاتے

ہوئے کہا، "بابا، صرف وہی میری کیفیت جانتا ہے جس نے اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو دوبارہ پا لیا ہو۔ اور صرف وہی میری حالت جانتا ہے جسے باپ سے چھین لیا گیا ہو اور وہ دوبارہ مل گئے ہوں۔"

مایوسی کے اُن ایام کا ذکر کرتے ہی حضرت یوسف کی آنکھوں میں اُداسی کے گہرے سائے چھا گئے۔ پھر اُنہوں نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا، "اللہ نے سب کچھ مٹا ڈالا۔ اُس نے مجھے اُس نفرت سے نجات دلائی اور اِس طرح مَیں اُس کے نام کو جلال دینے اور اُس کی خدمت کرنے کے قابل ہوا۔"

اور پھر جیسے الفاظ حضرت یوسف کے منہ سے پھوٹ پڑے، "بابا! مَیں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے صرف اپنے گھرانے ہی کا خیال نہیں رکھنا بلکہ پورے مصر کو خوراک کی ضرورت ہے۔ تاہم مصریوں کی روح کی پیاس بجھانے کے لئے لازم ہے کہ وہ زندہ خدا کو جانیں۔ میرا نام اور میرا کام اللہ کی گواہی دیتا ہے۔"

حضرت یعقوب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ دُور فاصلے پر کھیلتے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔ "میرے بیٹے! خدا کے لئے تمہاری راہنمائی کرنا

آسان تھا۔ تم میں فرماں برداری کی روح تھی۔ لیکن مَیں ایسا نہیں تھا۔ مَیں تو بڑا خود سر نوجوان تھا۔ مَیں جو کچھ چاہتا تھا جائز ناجائز طریقے سے حاصل کر لیا کرتا تھا۔" باپ نے بڑے دُکھ سے سر ہلایا۔ "آخرکار اللہ نے میری اَنا اور میری ران دونوں کو توڑ دیا۔ اَب مَیں اُس کے قریب رَہ کر اُس کی پیروی کرنے کا متمنی ہوں۔" حضرت یعقوب نے اپنی دُبلی پتلی اُنگلی اُٹھا کر بات جاری رکھی، "اِس لئے مَیں اِس کی تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ ہمارا مصر کا سفر رب کی مرضی کے مطابق ہے یا نہیں۔ چنانچہ مَیں یہاں آتے وقت بیرسبع کے مقام پر رُک گیا۔ اُسی جگہ پر اللہ میرے باپ حضرت اسحاق پر ظاہر ہوا تھا۔ وہاں مَیں نے قربانی گزرانی اور اللہ کی پرستش کی۔ رات کو اللہ مجھے رویا میں دکھائی دیا اور پکار کر کہا، 'یعقوب! یعقوب!'

مَیں نے جواب دیا، 'مَیں حاضر ہوں'۔

پھر رب نے کہا، 'مَیں اللہ ہوں، تیرے باپ اسحاق کا خدا۔ مصر جانے سے مت ڈر، کیونکہ وہاں مَیں تجھ سے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔

مَیں تیرے ساتھ مصر جاؤں گا اور تجھے اِس ملک میں واپس بھی لے آؤں گا۔ جب تُو مرے گا تو یوسف خود تیری آنکھیں بند کرے گا۔"

حضرت یوسف مسکرا دیئے، "بابا! مَیں نے کبھی رویا نہیں دیکھا اور نہ اللہ کبھی مجھ سے بلند اور واضح آواز میں مخاطب ہی ہوا ہے۔ پھر بھی اُس کا روح مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور اللہ کی مرضی مجھ پر آشکار کر دیتا ہے۔ اللہ میرے لئے ایک ٹھوس حقیقت ہے۔"

اگرچہ حضرت یعقوب بہت بوڑھے ہو چکے تھے بلکہ کمزوری کے باعث قریب الموت تھے، لیکن یوسف کی موجودگی نے گویا اُن کے مُردہ جسم میں از سرِ نو زندگی کی روح پھونک دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مصر میں سترہ برس اَور زندہ رہے۔ قحط کے اِس سنگین دَور میں بھی حضرت یعقوب اپنے قبیلے کو بڑھتا اور پھلتا پھولتا دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اللہ اُنہیں ہر چیز کثرت سے فراہم کر رہا تھا۔

وقت گزرتا گیا اور حضرت یعقوب کا جسم ڈھلتا چلا گیا۔ وہ بار بار بیمار پڑ جاتے تھے۔ ہر بار حضرت یوسف فوراً آ کر بڑے فکر سے اُن کی چارپائی کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ ایک دفعہ یوں ہی علالت کے

دوران حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کے دونوں بیٹوں کو برکت دے کر اُنہیں اپنے بیٹے بنا لیا۔ اِس طرح حضرت یوسف ملکِ موعود میں دوہرے حصے کے وارث قرار پائے۔ یوں وہ پہلوٹھا ہونے کا دوگنا حصہ لینے کے حق دار ٹھہرے۔

اور پھر وہ کرب ناک گھڑی آ پہنچی جس کے انتظار میں سب تھے۔ حضرت یعقوب کا جسم بے جان ہونے لگا۔ تب اُن کی روح کی بے چینی بڑھ گئی، اور اُنہوں نے ہر ایک بیٹے کو نام بنام پکار کر اُس کے مستقبل سے اُسے آگاہ کیا۔ وہ گھڑی کتنی مقدّس تھی جب یہوداہ کا نام پکارا گیا۔ اُنہوں نے اپنی واضح آواز میں کہا کہ "شاہی عصا یہوداہ سے دُور نہیں ہو گا بلکہ شاہی اختیار اُس وقت تک اُس کی اولاد کے پاس رہے گا جب تک وہ حاکم یعنی المسیح نہ آئے جس کے تابع قومیں رہیں گی۔" حضرت یعقوب نے یوسف کو بھی اپنی خاص محبت کے حوالے سے یاد کیا۔

جب بزرگ یعقوب یہ تمام باتیں کر چکے تو اُن کی روح پرواز کر گئی۔ اُن کی وفات سے پورے خاندان کو یوں محسوس ہوا جیسے گھرانے

کا مرکزی ستون گر پڑا ہو۔ اُن ہی نے سب کو متحد کر رکھا تھا۔ حضرت یوسف کے لئے تو باپ کی جدائی ناقابلِ برداشت تھی۔ یہ جدائی جو پہلے عارضی تھی اب دائمی ہوگئی تھی۔ وہ باپ کے مُردہ جسم سے لپٹ گئے اور دیوانہ وار اُن کا منہ چومنے لگے۔

حضرت یعقوب نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے یوسف سے عہد لیا تھا کہ اُنہیں کنعان کی غار میں دفن کیا جائے۔ فرعون نے حضرت یعقوب کے لئے ماتم کرنے کا حکم صادر کیا۔ مصری ستر دِن تک اِس بزرگ کے لئے نوحہ کرتے رہے۔ پھر اُن کی حنوط شدہ لاش کو کنعان لے جایا گیا۔ بادشاہ کے اعلیٰ افسران اور دربار کے منصب دار اِس غیر سرزمین میں تین سو میل کا کٹھن سفر طے کرکے پہنچے۔

جب جنازہ لیاہ کے پاس غار میں اُتارا جا رہا تھا تو حضرت یوسف کو بچپن کی خوشیاں یاد آئیں۔ اُنہوں نے سوچا کہ اللہ کی راہیں کتنی عجیب ہیں۔ جب ماں راخل زندہ تھی تو وہ اپنے خاوند کے دل پر حکومت کرتی تھی۔ ہاں، حضرت یعقوب اُس پر اپنی ساری محبت نچھاور کرتے تھے۔ لیکن وہ عرصہ پہلے اُن کی زندگی سے نکل گئی اور بیت لحم کے قریب

راستے میں دفن ہوئی۔ اور اب حضرت یعقوب لیاہ کے پہلو میں ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں۔

جب سوگوار اِس غار سے رُخصت ہوئے تو حضرت یوسف نے پلٹ کر ایک نظر باپ کی قبر پر ڈالی اور سوچنے لگے، "بابا یہاں بنی اسرائیل کی واپسی کا اِنتظار کریں گے۔ وہ یقیناً واپس لوٹیں گے اور اللہ اُنہیں یہ سرزمین وراثت کے طور پر عطا کرے گا۔"

حضرت یعقوب کی موت اور ماتم کے طویل عرصے نے پورے گھرانے کو مصروف رکھا۔ لیکن جب حضرت یوسف کے بھائی باپ کو دفنا کر گھر لوٹنے لگے تو وہ بہت بے چین ہوئے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے، "اب جبکہ بابا مر چکے ہیں تو یوسف یقیناً ہم سے بدلہ لے گا۔ صرف باپ کی وجہ سے اُس نے برادرانہ اُلفت کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ اب وہ ہمیں سمجھ لے گا۔ ایسے ظلم کو یوں معاف کر دینا جیسے بظاہر یوسف نے کیا ہے اِنسان کے لئے ناممکن ہے۔" لہٰذا مصر میں پہنچ کر اُنہوں نے حضرت یوسف کو کہلا بھیجا کہ "مرنے سے پہلے ہمارے باپ نے ہمیں کہا تھا کہ ہم آپ سے معافی مانگیں۔ مہربانی سے اپنے

بھائیوں کا جُرم معاف کر دیں جنہوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا۔"

جب حضرت یوسف نے یہ پیغام پڑھا تو وہ رونے لگے۔ شکستہ خاطر ہو کر وہ چلّا اُٹھے، "وہ ابھی تک یہی سوچ رہے ہیں کہ مَیں نے محبت کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اُف خدایا، وہ کب میری محبت کو پہچانیں گے؟"

آسنَت نے جب اُن کی یہ حالت دیکھی تو وہ چلمچی میں پانی اور تولیہ لے آئی تاکہ وہ منہ دھو کر تازہ دم ہو جائیں۔ اُس نے شوہر کو پیار سے گلے لگا لیا اور بولی، "وہ اپنے بھائی کے پیار بھرے دل کو بالکل نہیں جانتے۔ بہتر یہی ہو گا کہ ہم اُن کی دعوت کریں۔ اِس طرح وہ آپ کے ساتھ کھل کر بات کر لیں گے۔"

حضرت یوسف کو آسنَت کا مشورہ اچھا لگا۔ پس ایک پُرتکلُّف ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ کھانا بڑے اچھے طریقے سے تیار کیا گیا۔ پھولوں کی خوشبو اور موسیقی کی مُدھر تانیں فضا میں سحر گھولنے لگیں۔ جب ایسے میں حضرت یوسف کے بھائی گھر پہنچے تو سب کے سب بُری طرح

سہمے ہوئے تھے۔ پریشانی میں وہ پھر اپنے بھائی کے قدموں پر گر گئے۔ شمعون نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا، "ہم آپ کے غلاموں کی حیثیت سے آپ کے سامنے حاضر ہیں۔"

آسنت فوراً ستون کے پیچھے چھپ گئی۔ یہ منظر اُس کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ اُنہیں اِس طرح اُس بھائی کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی جو اُن کو دِل و جان سے چاہتا تھا۔ اُس نے حضرت یوسف کو اُنہیں بڑی گرم جوشی سے یقین دلاتے ہوئے سنا۔ "مت ڈرو۔ کیا مَیں اللہ کی جگہ ہوں؟ ہرگز نہیں! تم نے مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اللہ نے اُس سے بھلائی پیدا کی۔ اور اب اِس کا مقصد پورا ہو رہا ہے۔ بہت سے لوگ موت سے بچ رہے ہیں۔ چنانچہ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مَیں تمہیں اور تمہارے بچوں کو خوراک مہیا کرتا رہوں گا۔"

"آمین" آسنت نے دھیرے سے کہا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ دعوت بڑی کامیاب رہی۔ یوں لگتا تھا کہ آج مدت بعد بھائیوں کو اپنا بھائی یوسف ملا ہے۔ چاہنے والا، بے لوث بھائی یوسف۔

وعدے جو وفا ہوئے

مصر کی شدید گرمی میں جشن سُلگ رہا تھا۔ حضرت یوسف اپنے چھوٹے بیٹے افرائیم کے ساتھ رہتے تھے۔ اب تو افرائیم بھی دادا بن چکا تھا۔ اُس نے گھر کا سارا اِنتظام اپنے بیٹے کو سونپ رکھا تھا۔ اب وہ آرام کرتا تھا اور اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ مل کر لطف اندوز ہوتا تھا۔ خوب مزے میں زندگی بسر ہو رہی تھی۔ حضرت یوسف اِتنے ضعیف ہونے کے باوجود اَب بھی صبح جلدی اُٹھتے تھے۔ آج بھی وہ طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کی عمر 110 برس تھی اور اُن کے خیالوں میں ہر وقت آسمانی گھر کا خیال سمایا رہتا تھا۔ اللہ نے

اُن کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کی تھی۔ اُنہوں نے اپنے پوتے پرپوتے بھی دیکھ لئے تھے۔ اور اُن کو یوں بڑھتے، ہنستے کھیلتے، لڑتے جھگڑتے اور پیار جتاتے دیکھنا اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ مَنسّی اور افرائیم کے گھرانے کے لوگ ہر وقت اُنہیں محبت سے گھیرے رہتے تھے۔ اِس خیال سے ہی بوڑھے یوسف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔ حسبِ معمول وہ صبح کے وقت دعا میں جھک گئے۔ اب بھی اَبدی جہان کے خیال سے اُن کا دل اطمینان سے معمور تھا۔ اُنہوں نے سوچا کہ جلد ہی مَیں بھی ابدی جہان میں آسنَت اور اپنے والدین سے جا ملوں گا۔ وہ اِس دُنیا سے جانے کے لئے بالکل تیار تھے۔

گھر میں زندگی اپنی پوری گہما گہمی کے ساتھ رواں دواں تھی۔ عالی شان عمارت میں غلاموں کے آتے جاتے قدموں کی تیز تیز آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ناشتہ تیار ہو رہا تھا جس کی خوشبو سے ساری فضا مہکی ہوئی تھی۔ اِس کے ساتھ ہی برتنوں کے ٹھنٹھنانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مالی باغ کو پانی دے رہے تھے۔ حضرت یوسف

نے بڑے فخر سے مالی کو دیکھا جو باورچی خانے میں تازہ سبزیاں لے کر جا رہا تھا۔ عرصے سے لوگ قحط کے طویل سالوں کو بھول چکے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی حضرت یوسف کے عظیم کارنامے کو بھی بھلا دیا گیا تھا جنہوں نے کتنی ہی زندگیوں کو بچایا تھا۔ اب جبکہ وہ چھڑی پر جھکے ہوئے آہستہ آہستہ اُسے ٹیکتے ہوئے باغ کی بھیگی گھاس پر سے گزر رہے تھے سب کچھ یاد کرکے اُنہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ لوگ سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔ اِنسان خواہ کتنی بھی شہرت کیوں نہ حاصل کر لے بہت جلد گُم نام ہو جاتا ہے۔ جو لوگ کسی کے سامنے کچھ دیر سر جھکائے رہتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ اُن کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ لیکن واہ! اللہ اپنے لوگوں کو کبھی نہیں بھولتا۔ یہی سب سے بڑی بات ہے۔

حضرت یوسف کے چہرے پر دُکھ کے سائے لہرانے لگے۔ اب اُن پر بُرا وقت آنے والا تھا۔ نیا فرعون بنی اسرائیل کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ یہ غیر ملکی مصر کے اچھے حصے پر قابض تھے۔ یہ سوچتے سوچتے حضرت یوسف کھجور کے ایک درخت کے نیچے رُک گئے۔ اُنہیں حدِ نگاہ تک اپنے لوگ اِنتہائی خوش حال معلوم ہو رہے تھے۔ جہاں بنی اسرائیل

کی تعداد میں بے شمار اِضافہ ہوا تھا وہاں حضرت یوسف کی محافظت میں اُنہوں نے بے پناہ ترقی بھی کی تھی۔ اِس کے علاوہ اَب مصر کی سرزمین میں اُن کی جڑیں بہت گہری ہو چکی تھیں۔ اکثر لوگ اللہ کی موعودہ سرزمین کنعان کو بھلا چکے تھے۔ اچانک حضرت یوسف کو خیال آیا کہ ہو سکتا ہے خدا لوگوں کے اِس پُرسکون گھروندے کو توڑنے کے لئے ایذا رسانی کا حربہ استعمال کرے۔

اِسی لمحے اُن کے دو پوتے اُچھلتے کودتے اُس طرف آ نکلے۔ بڑا بچہ روتے ہوئے اُن سے کہنے لگا، "دادا ابوا اِسے کہئے نا کہ میری چھڑی مجھے واپس دے دے۔"

لیکن چھوٹا بڑا شریر تھا۔ اُس نے جھٹ سے حضرت یوسف کے ضعیف بدن کے پیچھے پناہ لے لی اور چمکتی ہوئی شرارت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا، "مجھے کچھ مصری حروفِ تہجی لکھنے آتے ہیں۔ دیکھو مَیں لکھتا ہوں۔" اُس نے جلدی سے جھک کر کیچڑ بھری زمین پر لکھنا شروع کیا۔ ایسے میں اُس کی لال بوٹی زبان اُس کے ہونٹوں سے باہر لٹک رہی تھی۔

اُس کے بڑے بھائی نے بڑے طنز سے کہا، "اِن کیڑوں مکوڑوں کو تم لکھائی کہتے ہو؟ ہا! ہا! ہا! اور اِس پر تم حاکمِ مصر بننے چلے ہو جیسے کبھی ہمارے بڑے دادا ابو تھے کیا؟" حضرت یوسف نے اُس شیطان کو خاموش کروا دیا اور اُس کے جھکے ہوئے ننھے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگے، "بڑا نام اور بڑا عہدہ حاصل کرنا اِتنا ضروری نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم وہ کام کریں جو اللہ نے ہمیں کرنے کو دیا ہے اور پھر اِس کام کو اپنی پوری طاقت سے کریں۔"

پھر وہ چھوٹے لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولے، "بچو! یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ مصر ہمارا وطن نہیں ہے۔ ایک دن ہم ضرور کنعان واپس جائیں گے۔ اُس ملک میں جسے اللہ نے حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔" پھر اُنہوں نے بڑے حوصلہ افزا انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا، "اُس دن کے لئے تیار رہو۔ اگر تم مصر میں رہ گئے تو اللہ کے لوگوں میں شمار نہیں کئے جاؤ گے۔ خدا تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہیں بھی اُس سے پیار کرنا چاہیئے۔"

اِس کے بعد جب حضرت یوسف افرائیم کے گھر والوں کے ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے تو اُن کی تشکر آمیز نگاہیں اپنے بیٹے کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ اللہ نے اُن پر اور آسنت پر بڑا فضل کیا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کو بنی اسرائیل میں شامل کرنے کے قابل ہو سکے۔ حضرت یوسف کی اُن کے لئے یہی سب سے بڑی تمنا تھی۔ آسنت نے بچوں کو اپنے باپ کے گھرانے کے فرد بننے میں اُن کی بڑی راہنمائی کی تھی۔

سہ پہر کے خنک اور خوش گوار لمحات میں ایک رتھ عمارت کے سامنے آ کر رُکا۔ دو مصری مہمان حضرت یوسف سے ملنے آئے تھے۔ جُمر جو کبھی سرکاری افسر ہوا کرتا تھا اور اُس کے ساتھ اُس کا پوتا۔

"میرے آقا" کہہ کر جُمر نے حضرت یوسف کو گلے لگا لیا جب کہ نوجوان نے ادب سے جھک کر سلام کیا۔

حضرت یوسف نے اپنے پُرانے دوست کی خوب آؤ بھگت کی۔ اِس دوران میں وہ اپنے ماضی کو یاد کرتے رہے جب دونوں کی طاقت عروج پر تھی۔

جُمر نے دُکھ سے اپنے سر کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا، "اِتنے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود آج ہم کہاں ہیں! بُڈھے کھوسٹ جو یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ ہم کیا کہنے والے تھے۔ اور بے وقت سو جاتے ہیں۔ اِنسان کی زندگی بھی کیا ہے!"

جُمر کے پوتے نے لقمہ دیا، "عالی جاہ! مَیں سمجھ رہا تھا کہ آپ مصر کے اعلیٰ طبقے کے لوگوں میں رہ رہے ہوں گے۔ لیکن اِس ملک میں 93 برس گزارنے کے باوجود ابھی تک آپ کٹر عبرانی ہیں۔ بڑی عجیب بات ہے! آپ کا نام بھی مصری ہے اورخطاب بھی۔ آپ کی شادی بھی مصری دوشیزہ سے ہوئی۔ آپ نے مصری دربار، سیاست اورتجارت میں بھی شراکت کی، پھر بھی اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح آپ عبرانی ہی رہے۔ ایسا کیوں؟"

حضرت یوسف کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہمارا خدا زندہ خدا ہے۔ وہی خدا جو اِنسان سے ہم کلام ہوتا ہے، اُس نے ہمیں اپنی خاطر الگ کر رکھا ہے۔"

جُمر نے کہا، "جہاں تک مَیں نے دیکھا ہے عبرانی بھی اُن ہی دیوتاؤں کی پرستش کر رہے ہیں جن کو ہم پوجتے ہیں۔ مَیں نے غلط تو نہیں کہا ؟"

حضرت یوسف سے کچھ جواب بن نہ پڑا۔ اُنہیں اِس کی تصدیق کرنی پڑی۔ اُنہیں اِس بات سے بڑا دُکھ ہو رہا تھا کہ بنی اسرائیل اپنے باپ دادا کے خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ رب خدا غیور خدا ہے اور وہ کسی قیمت پر اِس فعل کو برداشت نہیں کرے گا۔

وہ ابھی اِن ہی خیالوں میں گم تھے کہ جُمر کی آواز نے اُنہیں چونکا دیا۔ "میرے دوست! مَیں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں کیونکہ مجھے معتبر ذرائع سے اِطلاع ملی ہے کہ نیا فرعون تمہارے گھرانے کا جانی دشمن ہے۔ جلد ہی تم سب کو غلام بنا لیا جائے گا اور تم لوگوں سے عمارتیں اور اَہرام تعمیر کرانے کا کام لیا جائے گا۔ یا پھر کھیتوں اور زمین دوز کانوں میں غلامی کرنی ہو گی۔ دیوتا تم پر رحم کریں۔"

حضرت یوسف جانتے تھے کہ جُمر سچ کہہ رہا ہے۔ جب اُن کا دوست چلا گیا تو اُنہوں نے اپنی تمام فکریں اللہ کے حضور پیش کر دیں کیونکہ وہی اُن کے لوگوں کا واحد سہارا تھا۔ اُنہیں یقین تھا کہ جس خدا نے اُن کی زندگی کے لئے ایک کامل منصوبہ تیار کر رکھا تھا اُن کی اولاد کے لئے بھی اُس نے ضرور ایسا ہی منصوبہ بنا رکھا ہو گا۔ تاہم جشن پر خوف کے بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اب حضرت یوسف کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی اور یہاں تک کہ وہ بالکل ہی بستر پر پڑے رہتے تھے۔ طبیعت کی خرابی نے اُن کی رہی سہی طاقت بھی زائل کر دی تھی۔ دہشت زدہ ہو کر اُن کے گھرانے کے لوگ اُن کے گرد جمع ہو کر آہ و زاری کرنے لگے، "بزرگ یوسف! ہمارا کیا بنے گا؟ اگر فرعون نے ہمیں غلام بنا لیا تو وہ ہمیں کوڑے مار مار کر مکھیوں کی طرح مسل ڈالے گا۔ اب تو اِتنی دیر ہوگئی ہے کہ اِس ملک کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا۔ فرعون کا لشکر ہمیں کبھی بھی کنعان واپس نہیں جانے دے گا۔"

حضرت یوسف اگرچہ نقاہت محسوس کر رہے تھے تاہم اللہ پر ٹھوس ایمان کی قوت سے اُنہوں نے خود کو سنبھالا اور اپنے لوگوں کو یوں تسلی دی، "ہم مصر میں مسافر ہیں۔ جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آئے گا تو وہ یقیناً تمہارے وطن کنعان تک پہنچنے میں تمہاری راہنمائی کرے گا۔ اللہ قادرِ مطلق نے میرے بابا یعقوب کے ساتھ خود وعدہ کیا تھا: 'مَیں تیرے ساتھ مصر کو جاؤں گا اور پھر تجھے ضرور لوٹا بھی لاؤں گا'۔"

پھر بالآخر حضرت یوسف نے محسوس کیا کہ اُن کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے قبیلے سے کہا، "مَیں مرنے ہی والا ہوں۔ لیکن اللہ یقیناً تمہاری حفاظت کرے گا اور اِس ملک سے نکال کر اُس وطن میں لے جائے گا جس کے دینے کا وعدہ اُس نے حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے کیا ہے۔"

حضرت یوسف کی آنکھیں اپنے محبوب خدا سے ملاقات کے تصور سے ہی چمکنے لگیں۔ اُس خدا کے تصور سے جس کے ساتھ وہ چلتے رہے تھے۔ جس کی عمر بھر اُنہوں نے خدمت کی تھی۔ وہ تو اِسی لمحے کے لئے جی رہے تھے۔ پھر وہ اُن سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، "مجھ سے وعدہ

کرو کہ جب اللہ تمہیں ملکِ کنعان میں لے کر جائے تو تم میرا جسدِ خاکی اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے۔" پھر اُنہوں نے آخری ہچکی لی اور دَم توڑ دیا۔ اب وہ اُس شہر میں چلے گئے تھے جس کی بنیادیں چٹان پر رکھی ہیں۔ اُن کی حنوط شدہ لاش کو تابوت میں رکھ دیا گیا۔ ماتم کرتے وقت اُن کی تمام نیکیاں اورمحبت یاد آئیں۔

حضرت یوسف کی میت کو دفن نہ کیا گیا بلکہ اِس طرح تیار رکھا گیا کہ جوں ہی اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کو خروج کا حکم ہو اُسے ساتھ لے جایا جا سکے۔

تقریباً 200 سال تک حضرت یوسف کی لاش اُس گھڑی کا اِنتظار کرتی رہی جب اللہ حضرت یعقوب کی اولاد کو اپنے وعدے کے مطابق ملکِ کنعان واپس لے جائے گا۔ یہ وعدہ اُس وقت پورا ہوا جب وہ حضرت موسیٰ کی قیادت میں مصر سے کوچ کرکے اپنے وطن واپس آ گئے۔ اللہ کتنا وفادار ہے کہ 200 سال کے بعد بھی اپنا وعدہ پورا کرکے چھوڑتا ہے۔

انجامِ کار حضرت یوسف کی میت کو سِکم میں پہنچا دیا گیا جہاں اُن کے باپ حضرت یعقوب نے حاران سے آتے ہوئے اپنا پہلا پڑاؤ ڈالا تھا۔ حضرت یوسف کی باقیات کو اُس خطۂ زمین میں دفن کیا گیا جو حضرت یعقوب نے سِکم کے بادشاہ سے خریدا تھا۔ اُن کی قبر اللہ کی وفاداری کا واضح ثبوت ہے کہ اُس نے اپنے سارے وعدے پورے کر دیئے۔